روزنامہ
الفضل
ٹیلی فون نمبر 047-6213029 C.P.L 29-FD
ایڈیٹر: عبدالسمیع خان
Web: http://www.alfazl.org
Email: editor@alfazl.org
جمعہ 15 فروری 2008ء 7 صفر 1429 ہجری 15 تبلیغ 1387 ہش جلد 58-93 نمبر 38

بچے کی بیعت اور عالمی جنگیں

ابو جارود سے روایت ہے کہ میں نے ابو جعفر کو یہ فرماتے ہوئے سنا:۔

جب بچہ کی بیعت ظہور میں آئے گی تو ہر طاقتور اپنی طاقتوں کے ساتھ کھڑا ہو جائے گا (یعنی بڑی طاقتوں کی جنگیں شروع ہو جائیں گی)

(بحار الانوار باب علامات ظهوره من السفیانی والدجال جلد 52 روایت نمبر:118)

پیشگوئی مصلح موعود 20 فروری 1886ء کی سات عظیم اغراض

زندگی کے خواہاں موت سے نجات پائیں، حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور تائید الٰہی کا ثبوت، موعود لڑکے کا 9 سال کے اندر پیدا ہونا ضروری تھا جو 12 جنوری 1889 کو پیدا ہوا

حضرت مصلح موعود نے جلسہ سالانہ 1944ء کے موقع پر 28 دسمبر کو اپنی مشہور عالم تقریر ''الموعود'' میں فرمایا:۔

حضرت مسیح موعود اپنے 20 فروری 1886ء کے اشتہار میں ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظاہر فرمایا ہے کہ یہ پیشگوئی جو دنیا کے سامنے کی گئی ہے۔اس کی کئی اغراض ہیں۔

اول یہ پیشگوئی اس لئے کی گئی ہے کہ جو زندگی کے خواہاں ہیں، موت سے نجات پائیں اور جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آئیں۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ اس پیشگوئی نے چارسو سال کے بعد پورا ہونا ہے تو اس کے معنے یہ بنیں گے کہ میں نے یہ پیشگوئی اس لئے کی ہے کہ جو آج زندگی کے خواہاں ہیں وہ بے شک مرے رہیں چارسو سال کے بعد ان کو زندہ کر دیا جائے گا۔ یہ فقرہ بالبداہت باطل اور غلط ہے۔ آپ فرماتے ہیں یہ چلہ اس لئے کیا گیا ہے تا کہ وہ لوگ جو دین ...... سے منکر ہیں۔ ان کے سامنے خدا تعالیٰ کا ایک زندہ نشان ظاہر ہو اور جو ...... کی کرامت کا انکار کر رہے ہیں ان کو ایک تازہ اور زبردست ثبوت اس بات کا مل جائے کہ اب بھی خدا تعالیٰ ...... کی تائید میں اپنے نشانات ظاہر کرتا ہے۔ وہ الہامی الفاظ جو اس پیشگوئی کی غرض و غایت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ ہیں کہ

''خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں''۔

اب اگر ان لوگوں کے نظریہ کو صحیح سمجھ لیا جائے جو یہ کہتے ہیں کہ مصلح موعود تین چارسو سال کے بعد آئے گا۔ تو اس فقرہ کی تشریح یوں ہوتی ہے کہ یہ پیشگوئی اس لئے کی گئی ہے تا کہ وہ لوگ جو آج زندگی کے خواہاں ہیں مرے رہیں چارسو سال کے بعد ان کی نسلوں میں سے بعض لوگوں کو زندہ کر دیا جائے گا مگر کیا اس فقرہ کو کوئی شخص بھی صحیح تسلیم کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ پیشگوئی اس لئے کی گئی تھی تا دین ...... کا شرف ظاہر ہو اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر عیاں ہو۔ اس فقرہ کے صاف طور پر یہ معنے ہیں کہ دین ...... کا شرف اس وقت لوگوں پر ظاہر نہیں۔ اسی طرح کلام اللہ کا مرتبہ اس وقت لوگوں پر ظاہر نہیں۔ مگر کہا یہ جاتا ہے کہ خدا نے یہ پیشگوئی اس لئے کی ہے تا دین ...... کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ آج سے تین سو سال کے بعد یا چارسو سال کے بعد جب یہ لوگ بھی مر جائیں گے۔ ان کی اولادیں بھی مر جائیں گی اور ان کی اولادیں بھی مر جائیں گی۔ لوگوں پر ظاہر کیا جائے جب نہ پنڈت لیکھرام ہو گا نہ منشی اندر من مراد آبادی ہو گا نہ ان کی اولادیں ہوں گی اور نہ ان اولادوں کی اولادیں ہوں گی۔ اس وقت دین ...... کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر کیا جائے گا۔ بتاؤ کہ کیا کوئی بھی شخص ان معنوں کو درست سمجھ سکتا ہے۔

تیسرے آپ نے فرمایا یہ پیشگوئی اس لئے کی گئی ہے تا کہ حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔ اس کے معنے بھی ظاہر ہیں کہ حق اس وقت کمزور ہے اور باطل غلبہ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ایسا نشان ظاہر ہو کہ عقلی اور علمی طور پر دشمنان ...... پر حجت تمام ہو جائے اور وہ لوگ اس بات کو ماننے پر مجبور ہو جائیں کہ ...... حق ہے اور اس کے مقابل میں جس قدر مذاہب کھڑے ہیں وہ باطل ہیں۔

چوتھی غرض اس پیشگوئی کی یہ بیان کی گئی تھی کہ تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں اور جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔

اب یہ غور کرنے والی بات ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کو اس صورت میں کس طرح قادر سمجھ سکتے تھے۔ اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ تین سو سال کے بعد یا چارسو سال کے بعد ایک ایسا نشان ظاہر ہو گا جس سے تم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے کہ ...... کا خدا قادر ہے۔ ایسی پیشگوئی کو لیکھرام کیا اہمیت دے سکتا تھا یا وہ لوگ جو اس وقت دین ...... پر اعتراضات کر رہے تھے ...... نشانات کو باطل قرار دے رہے تھے۔ ...... کو ایک مردہ مذہب قرار دے رہے تھے۔ ان پر کیا حجت ہو سکتی تھی کہ تم چارسو سال کے بعد خدا تعالیٰ کو قادر سمجھنے لگ جاؤ گے۔ چارسو سال کے بعد پوری ہونے والی پیشگوئی سے وہ لوگ خدا تعالیٰ کو کس طرح قادر سمجھ سکتے تھے۔ وہ تو یہی کہتے کہ ہم ان زبانی دعووں کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ چارسو سال کے بعد ایسا ہو جائے گا۔ یہ تو ہر کوئی کہہ سکتا ہے۔ بات تب ہے کہ ہمارے سامنے نشان دکھایا جائے اور ...... کے خدا کا قادر ہونا ثابت کیا جائے۔

پانچویں غرض یہ بیان کی گئی تھی کہ تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اگر اس پیشگوئی نے چارسو سال کے بعد ہی پورا ہونا تھا تو اس زمانہ کے لوگ یہ کس طرح یقین کر سکتے تھے کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود کے ساتھ ہے۔

چھٹی غرض یہ بیان کی گئی تھی کہ تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور اس کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول ...... کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے۔ اس کے معنی بھی یہی بنتے ہیں کہ وہ لوگ جو میرے زمانہ میں ...... کی تکذیب کر رہے ہیں۔ ان کے سامنے میں یہ پیشگوئی کرتا ہوں کہ انہیں ...... کی صداقت کی ایک بڑی کھلی نشانی ملے گی۔ مگر ملے گی چارسو سال کے بعد جب موجودہ زمانہ کے لوگوں بلکہ ان کی اولادوں اور ان کی اولادوں میں سے بھی کوئی زندہ نہیں ہو گا۔

ساتویں آپ نے بیان فرمایا کہ یہ پیشگوئی اس لئے کی گئی ہے تا کہ مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے اور پتہ لگ جائے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ چارسو سال کے بعد آنے والے وجود سے اس زمانہ کے لوگوں کو کیونکر پتہ لگ سکتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے تھے۔

نوسالہ میعاد:

پھر اشتہارات میں آپ نے یہ بھی تحریر فرما دیا تھا کہ ایسا لڑکا بموجب الہام الٰہی 9 سال کے عرصہ میں ضرور پیدا ہو جائے گا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ الہام الٰہی اس کی پیدائش کو 9 سال میں ضروری قرار دیتا ہے۔ یہاں اجتہاد کا کوئی سوال نہیں بلکہ آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ الہام ہے کہ وہ لڑکا 9 سال کے اندر ضرور پیدا ہو جائے گا۔ پس تین یا چارسو سال کے بعد اگر کوئی شخص اس پیشگوئی کے مصداق ہونے کا دعویٰ کرے تو بہر حال ایسا شخص ہی اس کے مصداق ہونے کا اعلان کر سکتا ہے۔ جو پیدا 9 سال میں ہوا ہو لیکن ظاہر تین سو یا چارسو سال کے بعد ہوا ہو۔ کیونکہ الہام اس بات کی تعیین کرتا ہے کہ آنے والے موعود کو بہر حال 20 فروری 1886ء سے 20 فروری 1895ء تک کے عرصہ کے اندر اندر پیدا ہو جانا چاہئے اس عرصہ کے بعد پیدا ہونے والا کوئی شخص اس پیشگوئی کا مصداق نہیں ہو سکتا۔

(الموعود ص 39)

پیشگوئی دربارہ مصلح موعود

حضرت مسیح موعود کو خدا تعالیٰ نے مخاطب کر کے فرمایا:-

''میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لودھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام! خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں۔ اور تا دین (-) کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آ جائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب (-) کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے۔ اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔

اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ (-) خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا۔ اور دل کا حلیم۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر، مظہر الحق والعلاء (-) جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ و کان امرا مقضیا''

(اشتہار 20 فروری 1886ء۔ روحانی خزائن جلد نمبر 5 ص 647)

شان حضرت مصلح موعود

آسماں سے مہدی موعود نے پائی خبر
نور کا پیکر ملے گا تجھ کو اک لختِ جگر

ساری قومیں برکتیں پائیں گی اس موعود سے
نورِ فرقاں سے منور ہوں گی وہ محمود سے

آپ کا استاد خود مولیٰ تھا وہ ربّ کریم
جلوہ گر ہوتا تھا اس پر روز و شب ربِّ علیم

آپ مظلوموں کے حامی اور تھے ان کے نصیر
آپ کے دم سے رہائی پا گئے لاکھوں اسیر

ان کی تقریروں میں لذت تھی عجب تھی چاشنی
ان کی تقریروں سے ہر سو پھیلتی تھی روشنی

یورپ و افریقہ میں بھیجے مبشر آپ نے
کر دیئے کالے و گورے سب منور آپ نے

اس کی ہمت سے ہوئی آباد ربوہ کی زمیں
بن گیا اس کی دعاؤں سے یہ اک شہرِ حسیں

یاد رکھیں گی تجھے قومیں سدا فضل عمر
رحمتیں بھیجیں گی تجھ پر اے مسیحا کے پسر

مصلح موعود تجھ پر ہر گھڑی ہوں رحمتیں
میرے مولیٰ کی سدا نازل ہوں تجھ پر برکتیں

خواجہ عبدالمومن

پبلشر و پرنٹر طاہر مہدی امتیاز احمد وڑائچ مطبع ضیاء الاسلام پریس مقام اشاعت دارالنصر غربی چناب نگر (ربوہ) قیمت -/4 روپے

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا ایک اہم خطاب

علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جانے والا وجود

جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ 1965ء کے موقع پر مورخہ 21 دسمبر 1965ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے ایک نہایت ایمان افروز تقریر فرمائی تھی۔ اس کا ایک حصہ جو سیدنا حضرت المصلح الموعود کے عظیم الشان کارناموں کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ وہ روزنامہ ''الفضل'' فضل عمر نمبر 1966ء میں شائع ہوا جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

اس پیشگوئی میں جو دوسری بات ہمیں مصلح موعود کے متعلق بتائی گئی ہے یہ ہے کہ ''وہ علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا'' یہ اس لئے کہ ''تا دین (حق) کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو'' اور ''تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں''۔

اس میں سے ہزاروں لاکھوں نے خود مشاہدہ کیا کہ قرآن کریم کی سچی متابعت اور اس مطہر صحیفہ کی طرف سے جو تمام فیوض کا سرچشمہ ہے۔ ایک نور عطا ہوا جس سے علم الٰہی کے عجیب و غریب لطائف اور نکات جو کلام الٰہی اور کتاب مکنون میں پوشیدہ تھے اس پر کھلنے لگے اور دقیق معارف ابر نیساں کے رنگ میں اس پر برسنے لگے اور خدائے وہاب نے اپنی رحمانیت سے اس کے فکر اور نظر کو ایک ایسی برکت عطا کی کہ اس کے آئینہ فکر و نظر پر کامل صداقتیں منکشف ہونے لگیں۔ سو جو جو علوم و معارف اور دقائق و حقائق اور لطائف و نکات اور ادلہ و براہین اسے سوجھے اور جنہیں اس نے تفسیر کبیر اور اپنی دوسری کتب میں بیان کیا وہ اپنی کمیت اور کیفیت میں ایسے کامل مرتبہ پر واقع ہیں کہ جو یقیناً خارق عادت ہے اور جس کا مقابلہ کسی دوسرے کے لئے ممکن نہیں کیونکہ تفسیر کا خارق عادت معجزہ اس کی کسی ذاتی خوبی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اسے غیبی تفہیم اور خدائے صمد اور قدوس کی تائید سے اس نے لکھا تھا اور یہی خوارق اس کا عالی منزلت اور حسن و احسان میں مسیح (موعود) کا مثیل ہونا ثابت کرتے ہیں اور خدائی بشارات و الٰہی تفہیم کے مطابق دین و دنیا کے علوم و نکات کے بیان میں وہ اپنے ہم عصروں سے اس قدر سبقت لے گیا کہ اس کی تقریروں کو سن کر اور اس کی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنے اور پرائے اس اعتراف پر مجبور ہوئے کہ اس کے بیان کردہ علوم و معارف ایک دوسرے ہی عالم سے ہیں۔ جن کا دنیوی تعلیم و تدریس سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور جو تائیدات الٰہیہ کے خاص رنگ سے رنگین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت نے حضرت مصلح موعود کو علوم ظاہری اور باطنی میں جو برتری عطا کی تھی اور (دین حق) کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر کرنے کے لئے جو قوتیں آپ کو بخشی گئیں ان کو دنیا پر ثابت کرنے کے لئے آپ نے متعدد بار للکارا۔ مگر کوئی نہ تھا جو آپ کے مقابلہ پر آنے کی جرأت کرتا۔ 1917ء میں آپ نے تمام دنیا کو مندرجہ ذیل الفاظ میں چیلنج دیا۔

''میں حضرت مسیح موعود کے بعد تمام دنیا کو چیلنج دیتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ایسا ہے جسے (دین حق) کے مقابلہ میں اپنے مذہب کے سچا ہونے کا یقین ہے تو آئے اور آکر مقابلہ کرے۔ مجھے تجربہ کے ذریعہ ثابت ہو گیا ہے کہ (دین حق) ہی زندہ مذہب ہے اور کوئی مذہب اس کے مقابلہ پر نہیں ٹھہر سکتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ہماری دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے اور ایسے حالات میں قبول کرتا ہے جب کہ ظاہری سامان بالکل مخالف ہوتے ہیں اور یہی (دین حق) کے زندہ مذہب ہونے کی بہت بڑی علامت ہے۔ اگر کسی کو شک و شبہ ہے تو آئے اور آزمائے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ اگر کوئی ایسے لوگ ہیں جنہیں یقین ہے کہ ہمارا مذہب زندہ ہے تو آئیں ان کے ساتھ جو خدا کا تعلق اور محبت ہے اس کا ثبوت دیں۔ اگر خدا کو ان سے محبت ہو گی تو وہ مقابلہ میں ضرور ان کی مدد اور تائید کرے گا۔ میں ان کو چیلنج دیتا ہوں کہ مقابلہ پر آئیں تا کہ ثابت ہو کہ خدا کس کی مدد کرتا ہے اور کس کی دعا سنتا ہے۔ آپ لوگوں کو چاہئے کہ اپنی طرف سے لوگوں کو مقابلہ کے لئے کھڑا کریں۔ لیکن اس کے لئے یہ نہیں کہ ہر ایک کھڑا ہو کر کہہ دے کہ میں مقابلہ کرتا ہوں۔ بلکہ ان کو مقابلہ پر آنا چاہئے جو کسی مذہب یا فرقہ کے قائم مقام ہوں۔ اس وقت دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کس کی دعا قبول کرتا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہماری ہی دعا قبول ہو گی۔ افسوس ہے کہ مختلف مذاہب کے بڑے لوگ اس مقابلہ پر آنے سے ڈرتے ہیں۔ اگر وہ مقابلہ کے لئے نکلیں تو ان کو ایسی شکست نصیب ہو گی کو پھر مقابلہ کرنے کی انہیں جرأت ہی نہ رہے گی''۔

(زندہ مذہب انوار العلوم جلد نمبر 3 صفحہ 613)

1936ء میں آپ نے فرمایا:۔

''قرآن کریم کو وہ عظمت حاصل ہے جو دنیا کی کسی اور کتاب کو حاصل نہیں اور اگر کسی کا یہ دعویٰ ہو کہ اس کی مذہبی کتاب بھی اس فضیلت کی حامل ہے تو میں چیلنج دیتا ہوں کہ وہ میرے سامنے آئے۔ اگر کوئی وید کا پیرو ہے تو وہ میرے سامنے آئے۔ اگر کوئی توریت کا پیرو ہے تو وہ میرے سامنے آئے۔ اگر کوئی انجیل کا پیرو ہے تو وہ میرے سامنے آئے اور قرآن کریم کا کوئی استعارہ میرے سامنے رکھ دے جس کو میں بھی استعارہ سمجھوں۔ پھر میں اس کا حل قرآن کریم سے ہی پیش نہ کر دوں تو وہ بے شک مجھے اس دعویٰ میں جھوٹا سمجھے۔ لیکن اگر پیش کر دوں تو اسے ماننا پڑے گا کہ واقعہ میں قرآن کریم کے سوا دنیا کی اور کوئی کتاب اس خصوصیت کی حامل نہیں۔''

(فضائل القرآن انوار العلوم جلد نمبر 14 صفحہ 408)

1934ء میں آپ نے فرمایا:۔

''صرف یہی نہیں کہ حضرت مسیح موعود میں ہی یہ بات تھی بلکہ آپ آگے بھی یہ چیز دے گئے ہیں اور آپ کے طفیل مجھے بھی ایسے قرآن کریم کے معارف عطا کئے گئے ہیں کہ کوئی شخص خواہ وہ کسی علم کا جاننے والا ہو اور کسی مذہب کا پیرو ہو۔ قرآن کریم پر جو چاہے اعتراض کرے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قرآن سے ہی اس کا جواب دوں گا۔ میں نے بار ہا دنیا کو چیلنج کیا ہے کہ معارف قرآن میرے مقابلہ میں لکھو۔ حالانکہ میں کوئی مامور نہیں ہوں مگر کوئی اس کے لئے تیار نہیں ہوا اور اگر کسی نے اسے منظور کرنے کا اعلان بھی کیا تو بے معنی شرائط سے مشروط کر کے ٹال دیا۔ مثلاً یہ کہ بند کمرہ ہو۔ کوئی کتاب پاس نہ ہو۔ مگر اتنا نہیں سوچتے کہ اگر خیال ہے کہ میں پہلی کتب اور تفاسیر سے معارف نقل کر لوں گا تو وہی کتب تمہارے پاس بھی ہوں گی۔ تم بھی ایسا کر سکتے ہو۔ پھر میں اگر دوسری کتب سے نقل کر دوں گا تو خود اپنے ہاتھ سے اپنی ناکامی ثابت کر دوں گا۔ کیونکہ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ نئے معارف بیان کروں گا۔ لیکن مقابلہ کے وقت جب پرانی تفاسیر سے نقل کروں گا تو خود ہی میرے لئے شرمندگی اور ندامت کا موجب ہوگا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ یہ سب بہانے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کو سامنے آنے کی جرأت ہی نہیں۔''

(الفضل 24 اپریل 1934ء)

پھر مارچ 1944ء میں آپ نے دنیا کو للکارا اور چیلنج کیا کہ:۔

''اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتہ کے ذریعہ مجھے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا ہے۔ اور میرے اندر اس نے ایسا ملکہ پیدا کر دیا ہے کہ جس طرح کسی کو خزانہ کی کنجی مل جاتی ہے۔ اسی طرح مجھے قرآن کریم کے علوم کی کنجی مل چکی ہے۔ دنیا کا کوئی عالم نہیں جو میرے سامنے آئے اور میں قرآن کریم کی افضلیت اس پر ظاہر نہ کر سکوں۔ یہ لاہور شہر ہے یہاں یونیورسٹی موجود ہے۔ کئی کالج یہاں کھلے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے علوم کے ماہر اس جگہ پائے جاتے ہیں۔ میں ان سب سے کہتا ہوں دنیا کے کسی علم کا ماہر میرے سامنے آجائے۔ دنیا کا کوئی پروفیسر میرے سامنے آجائے، دنیا کا کوئی سائنسدان میرے سامنے آجائے اور وہ اپنے علوم کے ذریعہ قرآن کریم پر حملہ کر کے دیکھ لے۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسے ایسا جواب دے سکتا ہوں کہ دنیا تسلیم کرے گی کہ اس کے اعتراض کا رد ہو گیا اور میں دعویٰ کرتا ہوں کہ خدا کے کلام سے ہی اس کو جواب دوں گا۔ اور قرآن کریم کی آیات کے ذریعہ سے ہی اس کے اعتراضات کو رد کر کے دکھا دوں گا۔''

(الفضل 18 فروری 1958ء)

پھر فرمایا:۔

''ایسا انسان جس کی صحت کبھی ایک دن بھی اچھی نہیں ہوئی۔ اس انسان کو خدا نے زندہ رکھا اور اس لئے زندہ رکھا کہ اس کے ذریعہ اپنی پیشگوئیوں کو پورا کرے اور (دین حق) اور احمدیت کی صداقت کا ثبوت لوگوں کے سامنے مہیا کرے۔ پھر میں وہ شخص تھا جسے علوم ظاہری میں سے کوئی علم حاصل نہیں تھا۔ مگر خدا نے اپنے فضل سے فرشتوں کو میری تعلیم کے لئے بھجوایا اور مجھے قرآن کے ان مطالب سے آگاہ فرمایا جو کسی انسان کے واہمہ اور گمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ وہ علم جو خدا نے مجھے عطا فرمایا اور وہ چشمہ روحانی جو میرے سینہ میں پھوٹا وہ خیالی یا قیاسی نہیں ہے بلکہ ایسی قطعی اور یقینی ہے کہ میں ساری دنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اس دنیا کے پردہ پر کوئی شخص ایسا ہے کہ جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے قرآن سکھایا گیا ہے۔ تو میں ہر وقت اس سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن میں جانتا ہوں آج دنیا کے پردہ پہ سوائے میرے اور کوئی شخص نہیں جسے خدا کی طرف سے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا گیا ہو۔ خدا نے مجھے علم قرآن بخشا اور اس زمانے میں اس نے قرآن سکھانے کے لئے مجھے دنیا کا استاد مقرر کیا ہے۔ خدا نے مجھے اس غرض کے لئے کھڑا کیا ہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں اور (دین حق) کے مقابلہ میں دنیا کے تمام باطل ادیان کو ہمیشہ کی شکست دے دوں۔ دنیا زور لگا لے وہ اپنی تمام طاقتوں اور جمعیتوں کو اکٹھا کر لے۔ عیسائی بادشاہ بھی اور ان کی حکومتیں بھی مل جائیں۔ یورپ بھی اور امریکہ بھی اکٹھا ہو جائے۔ دنیا کی تمام بڑی بڑی مالدار اور طاقتور قومیں اکٹھی ہو جائیں اور مجھے اس مقصد میں ناکام کرنے کے لئے متحد ہو جائیں۔ پھر میں بھی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں ناکام رہیں گی۔ اور خدا

میری دعاؤں اور تدابیر کے سامنے ان کے تمام منصوبوں اور مکروں اور فریبوں کو ملیا میٹ کر دے گا اور خدا میرے ذریعہ سے یا میرے شاگردوں اور اتباع کے ذریعہ سے اس پیشگوئی کی صداقت ثابت کرنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے طفیل اور صدقے (دین حق) کی عزت کو قائم کرے گا۔ اور اس وقت تک دنیا کو نہیں چھوڑے گا جب تک (دین حق) پھر اپنی پوری شان کے ساتھ دنیا میں قائم نہ ہو جائے اور جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر دنیا کا زندہ نبی تسلیم نہ کر لیا جائے...... میں اس سچائی کو نہایت کھلے طور پر ساری دنیا کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یہ وہ آواز ہے جو زمین و آسمان کے خدا کی آواز ہے۔ مشیت وہ ہے جو زمین و آسمان کے خدا کی مشیت ہے یہ سچائی نہیں ٹلے گی۔ نہیں ٹلے گی اور (دین حق) دنیا پر غالب آ کر رہے گا۔ مسیحیت دنیا میں مغلوب ہو کر رہے گی اب کوئی سہارا نہیں جو عیسائیت کو میرے حملوں سے بچا سکے۔ خدا میرے ہاتھ سے اس کو شکست دے گا اور یا تو میری زندگی میں ہی اس کو اس طرح کچل کر رکھ دے گا کہ وہ سر اٹھانے کی بھی تاب نہیں رکھے گی۔ یا پھر میرے بوئے ہوئے بیج سے وہ درخت پیدا ہوگا۔ جس کے سامنے عیسائیت ایک خشک جھاڑی کی طرح ہو کر رہ جائے گی۔ اور دنیا میں چاروں طرف (دین حق) اور احمدیت کا جھنڈا انتہائی بلندیوں پر اڑتا ہوا دکھائی دے گا۔''

(الموعود انوار العلوم جلد نمبر 17 ص 646 تا 648)

پھر آپ نے فرمایا۔

''خدا تعالیٰ کی صفت علیم جس شان اور جس جاہ و جلال کے ساتھ میرے ذریعہ سے جلوہ گر ہوئی۔ اس کی مثال مجھے خلفاء کے زمرہ میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ میں وہ تھا جس کو کل کا بچہ کہا جاتا تھا، میں وہ تھا جسے احمق اور نادان قرار دیا جاتا تھا مگر عہدہ خلافت کو سنبھالنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قرآنی علوم اتنی کثرت کے ساتھ کھولے کہ اب قیامت تک .... اس بات پر مجبور ہے کہ میری کتابوں کو پڑھے اور ان سے فائدہ اٹھائے۔ وہ کونسا .... مسئلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ اپنی تمام تفاصیل کے ساتھ نہیں کھولا۔ .... مجھے خدا نے اس خدمت دین کی توفیق دی اور اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے ہی ان مضامین کے متعلق قرآن کے معارف کھولے جن کو آج دوست دشمن سب نقل کر رہے ہیں۔ مجھے کوئی لاکھ گالیاں دے مجھے لاکھ برا بھلا کہے۔ جو شخص (دین حق) کی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے لگے گا اسے میرا خوشہ چین ہونا پڑے گا۔ اور وہ میرے احسان سے کبھی باہر نہیں جا سکے گا۔ چاہے کوئی پیغامی ہو یا مصری۔ ان کی اولادیں جب بھی دین کی خدمت کا ارادہ کریں گی وہ اس بات پر مجبور ہوں گی کہ میری کتابوں کو پڑھیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں بلکہ میں بغیر فخر کے کہہ سکتا ہوں کہ اس بارہ میں سب خلفاء سے زیادہ مواد میرے ذریعہ سے جمع ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ پس مجھے یہ لوگ خواہ کچھ کہیں خواہ مجھے گالیاں دیں، ان کے دامن میں اگر قرآن کے علوم پڑیں گے تو میرے ذریعہ ہی اور دنیا ان کو یہ کہنے پر مجبور ہوگی کہ اے نادانو! تمہاری جھولی میں تو جو کچھ بھرا ہوا ہے وہ تم نے اسی سے لیا ہے پھر اس کی مخالفت کر رہے ہو''

(خلافت راشدہ صفحہ 254-256)

خدا تعالیٰ نے کہا تھا کہ وہ علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا۔ اس کے متعلق میں نے بہت سی تفصیلات جمع کی تھیں لیکن اس وقت میں صرف وہ نقشہ ہی پیش کر سکتا ہوں جو میں نے اس غرض کے لئے تیار کروایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ:

تفسیر: اس سلسلہ میں حضور کی ایک کتاب تو تفسیر کبیر ہے جو خود اتنی عجیب تفسیر ہے کہ جس شخص نے بھی غور سے اس کے کسی ایک حصہ کو پڑھا ہوگا، وہ یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ اگر دنیا میں کوئی خدا رسیدہ بزرگ پیدا ہوتا اور وہ صرف یہ حصہ قرآن کریم کا تفسیری نوٹوں کے ساتھ شائع کر دیتا۔ تو یہ اس کو دنیا کی نگاہ میں بزرگ ترین انسانوں میں سے ایک انسان بنانے کے لئے کافی تھا۔ لیکن اس پر ہی بس نہیں۔ قرآن کریم پر اور بہت سی کتب لکھیں اور میرا خیال ہے کہ حضور نے صرف قرآن کریم کی تفسیر پر ہی آٹھ دس ہزار صفحات لکھے ہیں۔

1۔ تفسیر کبیر کی گیارہ مجلدات بھی ان میں شامل ہیں۔
2۔ کلام کے اوپر حضور نے دس کتب اور رسائل لکھے۔
3۔ تاریخ پر چار کتب و رسائل
4۔ فقہ پر تین کتب و رسائل
5۔ سیاسیات قبل از تقسیم ہند 25 کتب و رسائل
6۔ سیاسیات بعد از تقسیم ہند و قیام پاکستان 9 کتب
7۔ سیاسیات کشمیر 15 کتب اور رسائل
8۔ تحریک احمدیت کے مخصوص مسائل و تحریکات پر ایک کم سو کتب و رسائل

سب کتب و رسائل کا مجموعہ 225 بنتا ہے۔ تو جیسا کہ فرمایا تھا کہ وہ علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا۔ ان پر ایک نظر ڈال لیں۔ تو ان میں علوم ظاہری بھی نظر آتے ہیں اور علوم باطنی بھی نظر آتے ہیں اور پھر لطف یہ کہ جب بھی آپ نے کوئی کتاب یا رسالہ لکھا۔ ہر شخص نے یہی کہا کہ اس سے بہتر نہیں لکھا جا سکتا۔ سیاست میں جب بھی آپ نے قیادت سنبھالی یا جب بھی آپ نے سیاست کے بارہ میں قائدانہ مشورے دیئے بڑے سے بڑا مخالف بھی آپ کی بے مثال قابلیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ غرض حضور کے علوم ظاہری و باطنی سے پر ہونے کے متعلق ایک بڑی تفصیل ہے جس کے ہزارویں حصہ میں نہیں جا سکتا''۔

(بحوالہ الفضل فضل عمر نمبر 1966ء صفحہ 9-11)

☆☆☆

ذیلی تنظیموں کے متعلق حضرت مصلح موعود کی تحریکات

لجنہ اماءاللہ، مجلس خدام الاحمدیہ، مجلس انصاراللہ کا قیام اور تدریجی مراحل

عبدالسمیع خان

بلند پایہ موعود رہنما تھے اور اس جماعت نے صدیوں دنیا کی اصلاح اور قیادت کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔ اس لئے نسلاً بعد نسل الٰہی نور کو منتقل کرنے کی ضرورت کو حضور خوب سمجھتے تھے۔ پس آپ نے مرکزی نظام جماعت کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کے بعد جماعت میں ذیلی تنظیموں کی تحریکات فرمائیں اور جماعت کے ہر فرد کو ایک مضبوط لڑی میں پرو دیا۔

آپ نے نظام سلسلہ کی تشکیل کے وقت نہ صرف تاریخ عالم کا گہرا مطالعہ فرمایا بلکہ انسانی جسم کے نظام کا بھی مکمل مطالعہ کیا جس میں اللہ تعالیٰ نے ہنگامی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے بکثرت متبادل راستے تجویز کر رکھے ہیں۔ مثلاً اگر ایک شریان بند ہو تو دوسری شریان نیا راستہ مہیا کر کے زندگی کو بچالیتی ہے۔ آپ نے لجنہ اماء اللہ (مع ناصرات الاحمدیہ)، مجلس خدام الاحمدیہ (مع اطفال الاحمدیہ) اور مجلس انصاراللہ کا قیام بڑی محنت اور توجہ سے فرمایا اور پروان چڑھایا اور نظام جماعت کے ساتھ ان کا رابطہ قائم کرتے ہوئے فرمایا:۔

اگر ایک طرف نظارتیں جو نظام کی قائم مقام ہیں عوام کو بیدار کرتی رہیں اور دوسری طرف خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ اور لجنہ اماء اللہ جو عوام کے قائم مقام ہیں۔ نظام کو بیدار کرتے رہیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کسی وقت جماعت کلی طور پر گر جائے اور اس کا قدم ترقی کی طرف اٹھنے سے رک جائے۔ جب بھی ایک غافل ہوگا دوسرا اسے جگانے کے لئے تیار ہوگا۔

...... یاد رکھو اگر اصلاح جماعت کا سارا دارومدار نظارتوں پر ہی رہا تو جماعت احمدیہ کی زندگی کبھی لمبی نہیں ہوسکتی۔ یہ خدائی قانون ہے جو کبھی بدل نہیں سکتا کہ ایک حصہ سوئے گا اور ایک حصہ جاگے گا۔ ایک حصہ غافل ہوگا اور ایک حصہ ہوشیار ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے دنیا کو گول بنا کر فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے قانون میں یہ بات داخل ہے کہ دنیا کا ایک حصہ سوئے اور ایک حصہ جاگے...... یہی نظام اور عوام کے کام کا تسلسل دنیا میں دکھائی دیتا ہے۔ (الفضل 17 نومبر 1943ء)

حضور نے خدام، اطفال، انصار اور لجنہ کو نظام جماعت کی چاردیواری سے تشبیہ دی۔ خدام جوش و امنگ کی علامت ہیں۔ انصار حکمت اور تجربہ کے نقیب ہیں اور لجنہ سلیقہ اور استقلال کی نمائندہ ہے اور مسابقت کی دوڑ میں حصہ لے کر ان سب نے جو اثرات مرتب کئے میں ان کا ذکر کرتے ہوئے مجلس احرار کا ترجمان زمزم لکھتا ہے:۔

''ایک ہم ہیں کہ ہماری کوئی بھی تنظیم نہیں اور ایک وہ ہیں کہ جن کی تنظیم در تنظیم کی تنظیمیں ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ آوارہ منتشر اور پریشان ہیں۔ ایک وہ ہیں کہ حلقہ در حلقہ محدود و محصور اور مضبوط اور منظّم ہیں۔ ایک حلقہ احمدیت ہے۔ اس میں چھوٹا بڑا زن و مرد، بچہ بوڑھا۔ ہر احمدی مرکز ''نبوت'' پر مرکوز و مجتمع ہے۔ مگر تنظیم کی ضرورت اور برکات کا علم و احساس ملاحظہ ہو کہ اس جامع و مانع تنظیم پر بس نہیں۔ اس وسیع حلقہ کے اندر متعدد چھوٹے چھوٹے حلقے بنا کر ہر فرد کو اس طرح جکڑ دیا گیا ہے کہ ہل نہ سکے۔ عورتوں کی مستقل جماعت لجنہ اماء اللہ ہے۔ اس کا مستقل نظام ہے۔ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر اس کا جداگانہ سالانہ جلسہ ہوتا ہے۔ خدام الاحمدیہ نوجوانوں کا جدا نظام ہے۔ پندرہ تا چالیس سال کے ہر فرد جماعت کا خدام الاحمدیہ میں شامل ہونا ضروری ہے۔

چالیس سال سے اوپر والوں کا مستقل ایک اور حلقہ ہے۔ انصاراللہ جس میں چوہدری سر محمد ظفراللہ خان تک شامل ہیں۔ میں ان واقعات اور حالات میں مسلمانوں سے صرف اس قدر دریافت کرتا ہوں کہ کیا ابھی تمہارے جاگنے اور اٹھنے اور منظّم ہونے کا وقت نہیں آیا؟ تم نے ان متعدد مورچوں کے مقابلہ میں کوئی ایک بھی مورچہ لگایا؟ حریف نے عورتوں تک کو میدان جہاد میں لا کھڑا کیا...... میرے نزدیک ہماری ذلت و رسوائی اور میدان کشاکش میں شکست و پسپائی کا ایک بہت بڑا سبب یہی غلط معیار شرافت ہے''۔

(زمزم لاہور 23 جنوری 1945ء بحوالہ الفضل 18/اپریل 1945ء)

ان تینوں تنظیموں کے متعلق حضور کی تحریکات اور تدریجی مراحل درج ذیل ہیں:۔

لجنہ اماءاللہ کا قیام

سیدنا حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفہ اول کے زمانہ مبارک میں جو مجالس قائم ہوئیں وہ سب مردوں کی تھیں۔ مثلاً ''اشاعت (دین)۔ صدر انجمن احمدیہ۔ تشحیذ الاذہان۔ مجلس احباب۔ مجمع الاخوان۔ مجلس ارشاد'' وغیرہ۔ لیکن مستورات کی کوئی علمی و دینی اور تمدنی انجمن اس وقت تک موجود نہ تھی۔ لہٰذا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنی حرم دوم امۃ الحی صاحبہ کی تحریک پر 25 دسمبر 1922ء کو لجنہ اماء اللہ کی بنیاد رکھی۔ جس کی پہلی سیکرٹری حضرت امۃ الحی صاحبہ تھیں۔

جب اس تنظیم کا قیام عمل میں آیا تو لجنہ کی ممبرات نے حضرت اماں جان نصرت جہاں بیگم کی خدمت میں درخواست کی کہ اس کی صدارت قبول فرمائیں اور غالباً پہلا اجلاس آپ ہی کی صدارت میں ہوا تھا۔ لیکن آپ نے پہلے اجلاس ہی میں حضرت ام ناصر کو اپنی جگہ بٹھا کر صدارت کے لئے نامزد فرما دیا۔

لجنہ اماء اللہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے 15 دسمبر 1922ء کو اپنے قلم سے قادیان کی مستورات کے نام ایک 17 نکاتی مضمون رقم کیا۔ جس میں عورتوں کو دینی تعلیم و تربیت کے لئے ایک مجلس کے قیام کی ترغیب دی اور فرمایا کہ جو عورتیں اس سے متفق ہوں وہ مجھے اطلاع دیں۔

اس ابتدائی تحریک پر (جو محض رضا کارانہ رنگ کی تھی) قادیان کی تیرہ خواتین نے دستخط کئے۔

حضور کے فرمان پر 25 دسمبر 1922ء کو یہ دستخط کرنے والی خواتین حضرت اماں جان کے گھر میں جمع ہوئیں۔ حضور نے نماز ظہر کے بعد ایک مختصر تقریر فرمائی اور لجنہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس تقریر میں حضور نے لجنات کے سپرد جلسہ مستوارت کا انتظام کر کے کئی مشورے دیئے اور نصائح فرمائیں۔

اس اجلاس اول کے بعد لجنہ اماء اللہ کے مفصل قواعد رسالہ تادیب النساء میں (جو قادیان سے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی ادارت میں شائع ہوتا تھا) شائع کر دیئے گئے اور اس طرح باقاعدہ سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے لجنہ کے اغراض و مقاصد جلد سے جلد پورا کرنے کے لئے اور احمدی مستورات کی اصلاح و تنظیم کرنے کے لئے سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ لجنات کے ہفتہ وار اجلاس جاری کئے اور فروری اور مارچ 1923ء کے تین اجلاسوں میں نہایت جامعیت کے ساتھ دینی اور دنیاوی علوم کی تفصیلات بیان فرمائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حضور نے خدمت دین کا عملی جوش پیدا کرنے کے لئے تعمیر بیت برلن کی ذمہ داری بھی احمدی مستورات پر ڈالی اور اس کے لئے چندہ کی فراہمی کا کام ''لجنہ اماءاللہ'' کے سپرد فرمایا۔

دو سال بعد حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی نے خواتین میں دینی تعلیم عام کرنے کے لئے 17 مارچ 1925ء کو مدرسۃ الخواتین جاری فرمایا۔ جس میں حضرت مولوی شیر علی صاحب، حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت صوفی غلام محمد صاحب سابق مربی ماریشس اور دوسرے اصحاب کے علاوہ خود حضور تعلیم دیتے تھے۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب اس مدرسہ کے نگران تھے۔ اس مدرسہ نے خواتین کے علمی و تنظیمی خلاء کو پر کرنے میں بڑا کام کیا اور خواتین کے مرکزی اداروں اور درسگاہوں کے لئے معلمات اور کارکنات پیدا ہوگئیں۔

15 دسمبر 1926ء کو لجنہ اماء اللہ کی نگرانی میں ماہوار رسالہ ''مصباح'' جاری ہوا جس سے احمدی خواتین کی تربیت و تنظیم کو بہت تقویت پہنچی۔ ابتداء میں رسالہ کا انتظام مرد کرتے تھے مگر مئی 1947ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد پر اس کا پورا اہتمام مرکزی ''لجنہ اماءاللہ'' کو سونپ دیا گیا جس سے رسالہ کے علمی و دینی معیار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور اب یہ جماعت کی مستورات کے ترجمان کی حیثیت سے سلسلہ کی خدمت بجالا رہا ہے۔

16 ستمبر 1927ء کو حضرت امۃ الحی صاحبہ کی یاد میں ''امۃ الحی لائبریری'' کا افتتاح ہوا اور اس کی نگرانی حضرت سیدہ ام طاہر احمد صاحبہ کو تفویض ہوئی۔ جنہوں نے اپنی پوری زندگی لجنہ کے کام کے لئے وقف رکھی۔ افتتاح پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی حضرت اماں جان اور خاندان حضرت مسیح موعود کے دوسرے افراد نے کتابیں عنایت فرمائیں۔ یہ لائبریری حضرت خلیفہ ثانی کی اجازت خاص سے گول کمرہ میں قائم ہوئی۔ 1947ء کے بعد اس لائبریری کا احیاء جنوری 1960ء کو ربوہ میں ہوا۔

1930ء میں لجنہ کو مجلس شوریٰ میں نمائندگی کا حق ملا۔ جولائی 1931ء میں تحریک آزادی کشمیر کا آغاز ہوا تو لجنہ نے اسے کامیاب بنانے کے لئے چندہ دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے یکم اپریل 1938ء کو حکم دیا کہ جہاں جہاں لجنہ ابھی قائم نہیں ہوئی وہاں کی عورتیں اپنے ہاں لجنہ اماء اللہ قائم کریں اور وہ بھی اپنے آپ کو تحریک جدید کی والنٹیر سمجھیں۔

ماہ اپریل 1944ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو الہام ہوا۔ اگر تم پچاس فیصدی عورتوں کی اصلاح کرلو تو (دین) کو ترقی حاصل ہو جائے گی۔ اس خدائی تحریک پر حضور لجنہ اماء اللہ کی تربیت و تنظیم کی طرف اور زیادہ گہری توجہ فرمانے لگے۔

1950ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تحریک وقف زندگی پر مستورات نے لبیک کہا۔ 1951ء میں لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کا دفتر بنا۔ 1955ء میں ان کے چندوں سے ہالینڈ کی بیت الذکر تعمیر ہوئی۔

مجلس ناصرات الاحمدیہ کا قیام

فروری 1939ء میں احمدی بچیوں کے لئے ''مجلس ناصرات الاحمدیہ'' کے نام سے ایک انجمن کا قیام عمل میں آیا جس کی صدر محترمہ استانی میمونہ صوفیہ

صاحبہ، سیکرٹری صاحبزادی امۃ الرشید صاحبہ (بنت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) اور اسسٹنٹ سیکرٹری طاہرہ بیگم صاحبہ مقرر ہوئیں۔ (الفضل 5 جولائی 1939ء)

مجلس ناصرات الاحمدیہ کا قیام صاحبزادی امۃ الرشید صاحبہ کی تحریک پر ہوا۔ چنانچہ صاحبزادی صاحبہ کا بیان ہے کہ

''جب میں دینیات کلاس میں پڑھتی تھی۔ میرے ذہن میں یہ تجویز آئی کہ جس طرح خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے لجنہ اماء اللہ قائم ہے۔ اسی طرح لڑکیوں کے لئے بھی کوئی مجلس ہونی چاہئے۔ چنانچہ محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب کی بیگم صاحبہ اور مکرم و محترم حافظ بشیر الدین صاحب کی بیگم صاحبہ اور اسی طرح اپنی کلاس کی بعض اور بہنوں سے اس خواہش کا اظہار کیا اور ہم سب نے مل کر لڑکیوں کی ایک انجمن بنائی جس کا نام حضرت اقدس کی منظوری سے ناصرات الاحمدیہ رکھا گیا۔

شروع میں تو اس کے اجلاس بھی ہمارے سکول میں ہی ہوتے رہے اور سکول کی طالبات ہی اس کی ممبر رہیں۔ لیکن میری شادی کے بعد جب میں سندھ چلی گئی تو اس مجلس کا انتظام لجنہ اماء اللہ نے سنبھال لیا اور اس کے زیر انتظام اس مجلس کے امور سرانجام پاتے رہے۔

لجنہ اماء اللہ کی تنظیم اپنی نوعیت اور ہیئت کے اعتبار سے ایک مثالی تنظیم ہے جس نے اپنی کارکردگی کا سکہ غیروں پر بھی بٹھا رکھا ہے۔

مولوی عبدالمجید صاحب قرشی ایڈیٹر اخبار تنظیم امرتسر نے لکھا:۔

''لجنہ اماء اللہ قادیان احمدیہ خواتین کی انجمن کا نام ہے۔ اس انجمن کے ماتحت ہر جگہ عورتوں کی اصلاحی مجالس قائم کی گئی ہیں اور اس طرح پر وہ تحریک جو مردوں کی طرف سے اٹھتی ہے خواتین کی تائید سے کامیاب بنائی جاتی ہے اس انجمن نے تمام احمدیہ خواتین کو سلسلہ کے مقاصد کے ساتھ عملی طور پر وابستہ کر دیا ہے۔ عورتوں کا ایمان مردوں کی نسبت زیادہ مخلص اور مربوط ہوتا ہے۔ عورتیں مذہبی جوش کو مردوں کی نسبت زیادہ محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ لجنہ اماء اللہ کی جس قدر کارگزاریاں اخبارات میں چھپ رہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ احمدیوں کی آئندہ نسلیں موجودہ کی نسبت زیادہ مضبوط اور پُرجوش ہوں گی اور احمدی عورتیں اس چمن کو تازہ دم رکھیں گی جس کا مرور زمانہ کے باعث اپنی قدرتی شادابی اور سرسبزی سے محروم ہونا لازمی تھا''۔ (تاریخ احمدیت جلد 4 ص 310)

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ احمدی عورتوں کی عمومی تعلیم کا معیار بلند کرنے کے لئے حضور کی دیگر تحریکات کا ذکر کر دیا جائے۔

تعلیم نسواں کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو آغاز خلافت ہی سے احمدی خواتین کی تعلیمی ترقی و بہبود کا خیال تھا۔ مجلس مشاورت 1928ء کے موقعہ پر حضور نے نمائندگان جماعت کے سامنے تعلیم نسواں کے لئے خاص تحریک کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''میرے نزدیک عورتوں کی تعلیم ایسا اہم سوال ہے کہ کم از کم میں تو اس پر غور کرتے وقت حیران رہ جاتا ہوں ایک طرف اس بات کی اہمیت اتنی بڑھتی چلی جارہی ہے کہ دنیا میں جو تغیرات ہو رہے ہیں یا آئندہ ہوں گے جن کی قرآن سے خبر معلوم ہوتی ہے ان کی وجہ سے وہ خیال مٹ رہا ہے جو عورت کے متعلق تھا کہ عورت شغل کے طور پر پیدا کی گئی ہے ...... دوسری طرف اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عورت کا میدان عمل مرد کے میدان سے بالکل علیحدہ ہے...... پس ایک طرف عورتوں کی تعلیم کی اہمیت اور دوسری طرف یہ حالت کہ ان کا میدان عمل جداگانہ ہے یہ ایسے امور ہیں جن پر غور کرتے ہوئے نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے دوسروں کا نقال نہیں بنایا بلکہ دنیا کے لئے راہنما بنایا ہے۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے اس لئے کھڑا کیا ہے کہ ہم دنیا کی راہنمائی کریں نہ یہ کہ دوسروں کی نقل کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم غور کریں عورتوں کو کیسی تعلیم کی ضرورت ہے۔ ہمیں ہر قدم پر سوچنا اور احتیاط سے کام لینا چاہئے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کچھ کرنا ہی نہیں چاہئے کرنا چاہئے اور ضرور کرنا چاہئے مگر غور اور فکر سے کام لینا چاہئے۔ اب تک ہماری طرف سے سستی ہوئی ہے ہمیں اب سے بہت پہلے غور کرنا چاہئے تھا اور اس کے لئے پروگرام تیار کرنا چاہئے تھا گو وہ پروگرام مکمل نہ ہوتا اور مکمل تو یکلخت قرآن شریف بھی نہیں ہو گیا تھا پس یکلخت تو قدم اوپر نہیں جاسکتا مگر قدم رکھنا ضرور چاہئے تھا۔ میں اس بات کی زیادہ ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ پہلے اس بات پر غور ہونا چاہئے کہ عورتوں کو تعلیم کیسی دینی چاہئے مختلف زبانیں سکھانا تو ضروری بات ہے باقی امور میں ضروری نہیں کہ عورتوں کو اس رستے پر لے جائیں جس پر دوسرے لوگ لے جارہے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم وہی نہیں جو یورپ دے رہا ہے''۔

''عورتوں کی تعلیم کا جس قدر جلد سے جلد مکمل انتظام کیا جائے گا۔ اتنا ہی مفید ہوگا...... (دعوت الی اللہ) کے لحاظ سے بھی عورتوں کی تعلیم نہایت ضروری ہے۔ ہندو اور عیسائی عورتیں تعلیم میں بہت بڑھ رہی ہیں۔ ہماری عورتیں تعلیم حاصل کر کے نہ صرف ان کے حملوں سے بچ سکتی ہیں بلکہ ان کو (دعوت الی اللہ) بھی کر سکتی ہیں''۔

(تاریخ احمدیت جلد 5 ص 13)

عورتوں کے لئے اعلیٰ انگریزی تعلیم کا اجراء

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے یکم جولائی 1931ء کو قادیان میں ایف اے کلاس کا افتتاح فرمایا۔ اس موقع پر حضور نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ انگریزی تعلیم جاری رہے یہاں تک کہ گریجوایٹ خواتین کی اتنی کثیر تعداد پیدا ہو جائے کہ ہم سکول میں بھی زنانہ سٹاف رکھ سکیں اور کالج بھی قائم کر سکیں۔

اس تعلق میں حضور نے یہ بھی فرمایا کہ تربیت اولاد کے مسئلہ میں کامیابی کی فقط یہی ایک صورت ہے کہ چھوٹی عمر کے بچوں کے بورڈنگ بنا کر ان کا انتظام عورتوں کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ ان میں بچپن میں ہی خاص اخلاق پیدا کریں اور پھر وہ بچے بڑے ہو کر دوسروں کے اخلاق کو اپنے اخلاق کے سانچے میں ڈھالیں۔ اگر ہم ایسے ہومز (گھر) قائم کر سکیں تو اس کے ذریعہ سے اعلیٰ اخلاق پیدا کئے جاسکتے ہیں اور ایسی تربیت ہو سکتی ہے جو ہماری جماعت کو دوسروں سے بالکل ممتاز کر دے۔ مگر یہ بات کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کافی تعداد میں تعلیم یافتہ عورتیں نہ ہوں۔

(تاریخ احمدیت جلد 5 ص 313)

مجلس خدام الاحمدیہ کا قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اللہ تعالیٰ کی مشیت خاص کے ماتحت عالمگیر غلبۂ حق کے لئے جن عظیم الشان تحریکات کی بنیاد رکھی ان میں سے نہایت شاندار نہایت اہم اور مستقبل کے اعتبار سے نہایت دوررس نتائج کی حامل تحریک مجلس خدام الاحمدیہ ہے جس کا قیام 1938ء کے آغاز میں ہوا۔

حضور کو اپنے عہد خلافت کی ابتداء ہی سے احمدی نوجوانوں کی تنظیم و تربیت کی طرف ہمیشہ توجہ رہی کیونکہ قیامت تک اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبۂ احمدیت کے لئے ضروری تھا کہ ہر نسل پہلی نسل کی پوری قائم مقام ہو اور جانی اور مالی قربانیوں میں پہلوں کے نقش قدم پر چلنے والی ہو اور ہر زمانے میں جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کی تربیت اس طور پر ہوتی رہے کہ وہ احمدیت کا جھنڈا بلند رکھیں۔

حضرت مصلح موعود نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف انجمنیں قائم فرمائیں مگر ان سب تحریکوں کی جملہ خصوصیات مکمل طور پر مجلس خدام الاحمدیہ کی صورت میں جلوہ گر ہوئیں اور حضرت مصلح موعود کی براہ راست قیادت غیر معمولی توجہ اور حیرت انگیز قوت قدسی کی بدولت مجلس خدام الاحمدیہ میں تربیت پانے کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ کو ایسے مخلص اور ایثار پیشہ اور دردمند دل رکھنے والے اور انتظامی قابلیتیں اور صلاحیتیں رکھنے والے مدبر دماغ میسر آ گئے جنہوں نے آگے چل کر سلسلہ احمدیہ کی عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی سے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور آئندہ بھی ہم خدا تعالیٰ سے یہی امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر نسل میں ایسے لوگ پیدا کرتا چلا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس مجلس کی بنیاد رکھتے ہوئے پیشگوئی فرمائی تھی کہ

''میں دیکھ رہا ہوں کہ ہماری طرف سے (دشمن کے) ان حملوں کا کیا جواب دیا جائے گا۔ ایک ایک چیز کا اجمالی علم میرے ذہن میں موجود ہے اور اسی کا ایک حصہ خدام الاحمدیہ ہیں اور درحقیقت یہ روحانی ٹریننگ اور روحانی تعلیم و تربیت ہے ...... بیشک وہ لوگ جو ان باتوں سے واقف نہیں وہ میری ان باتوں کو سمجھ سکتے کیونکہ ہر شخص قبل از وقت ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے جو وہ اپنے کسی بندے (کو) دیتا ہے......آج نوجوانوں کی ٹریننگ کا زمانہ ہے اور ان کی تربیت کا زمانہ ہے اور ٹریننگ کا زمانہ خاموشی کا زمانہ ہوتا ہے۔ لوگ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ کچھ نہیں ہو رہا۔ مگر جب قوم تربیت پا کر عمل کے میدان میں نکل کھڑی ہوتی ہے تو دنیا انجام دیکھنے لگ جاتی ہے۔ درحقیقت ایک ایسی زندہ قوم جو ایک ہاتھ کے اٹھنے پر اٹھے اور ایک ہاتھ کے گرنے پر بیٹھ جائے دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا کرتی ہے''۔

(الفضل 7 / اپریل 1939ء)

خدام الاحمدیہ کے قیام کی بنیادی غرض

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مجلس خدام الاحمدیہ کی تاسیس کے زمانہ میں واضح لفظوں میں اس کی غرض وغایت یہ بیان فرما دی تھی:۔

''میری غرض اس مجلس کے قیام سے یہ ہے کہ جو تعلیم ہمارے دلوں میں دفن ہے اسے ہوا نہ لگ جائے بلکہ وہ اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ دلوں میں دفن ہوتی چلی جائے۔ آج وہ ہمارے دلوں میں دفن ہے تو کل وہ ہماری اولادوں کے دلوں میں دفن ہو اور پرسوں ان کی اولادوں کے دلوں میں۔ یہاں تک کہ یہ تعلیم ہم سے وابستہ ہو جائے۔ ہمارے دلوں کے ساتھ چمٹ جائے اور ایسی صورت اختیار کرے جو دنیا کے لئے مفید اور بابرکت ہو۔ اگر ایک یا دو نسلوں تک یہ تعلیم محدود رہی تو کبھی ایسا پختہ رنگ نہ دے گی جس کی اس سے توقع کی جاتی ہے۔ (الفضل 17 فروری 1939ء)

مختصر تاریخ

مجلس خدام الاحمدیہ کے قیام کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ 31 جنوری 1938ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خصوصی اجازت اور شیخ محبوب عالم صاحب ایم اے کی دعوت پر قادیان کے مندرجہ ذیل دس نوجوان ان کے مکان (متصل بورڈنگ مدرسہ احمدیہ) پر جمع ہوئے۔

1۔ مولوی قمرالدین صاحب۔ 2۔ حافظ بشیر احمد صاحب۔ 3۔ مولانا ظہور حسین صاحب۔ 4۔ مولوی غلام احمد صاحب فرخ۔ 5۔ مولوی محمد صدیق صاحب۔ 6۔ سید احمد علی صاحب۔ 7۔ حافظ قدرت اللہ صاحب۔ 8 مولوی محمد یوسف صاحب۔ 9۔ مولوی محمد احمد صاحب جلیل۔ 10۔ چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر

ان احباب نے صدارت کے لئے مولوی قمرالدین صاحب کا اور سیکرٹری کے لئے شیخ محبوب عالم صاحب خالد کا انتخاب کیا۔ ان نوجوانوں نے

خداتعالیٰ کے فضل ونصرت پر بھروسہ رکھتے ہوئے تائید خلافت میں کوشاں رہنے اور اس کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ کے خلاف سینہ سپر ہونے کا عزم کیا۔

اس مجلس کی بنیاد چونکہ حضرت مصلح موعود کی اجازت سے رکھی جارہی تھی۔ اس لئے حضور ہی سے اس کا نام رکھنے کی درخواست کی گئی۔ حضور نے 4 فروری 1938ء کو اس تنظیم کو ''مجلس خدام الاحمدیہ'' کے نام سے موسوم فرمایا اور فروری اور مارچ میں قادیان کے مختلف حلقوں میں اس کی شاخیں قائم کردی گئیں۔ اس دوران میں مجلس کا کام یہ تھا کہ اس کے ارکان قرآن و حدیث، تاریخ، فقہ اور احمدیت کے متعلق کتب دینیہ کا مطالعہ کرتے اور مخالف احمدیت و خلافت فتنوں کے جواب میں تحقیق و تدقیق کرتے۔ ان دنوں شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کا فتنہ برپا تھا۔ چنانچہ مجلس نے یکے بعد دیگرے دو ٹریکٹ شیخ مصری صاحب کے اشتہاروں کے رد میں لکھے جو بہت مقبول ہوئے۔ پہلا ٹریکٹ ''شیخ مصری صاحب کا صحیح طریق فیصلہ سے فرار'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ دوسرے کا عنوان ''روحانی خلفاء کبھی معزول نہیں ہوسکتے'' تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ارکان مجلس کی ان ابتدائی علمی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

''اگر دوست چاہتے ہیں کہ وہ تحریک جدید کو کامیاب بنائیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح ہر جگہ لجنات اماء اللہ قائم ہیں اسی طرح ہر جگہ نوجوانوں کی انجمنیں قائم کریں۔ قادیان میں بعض نوجوانوں کے دل میں اس قسم کا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے مجھ سے اجازت حاصل کرتے ہوئے ایک مجلس خدام الاحمدیہ کے نام سے قائم کردی ہے...... میں نے خاص طور پر انہیں یہ ہدایت دی ہے کہ جن لوگوں کی شخصیتیں نمایاں ہوچکی ہیں ان کو اپنے اندر شامل نہ کیا جائے تا انہیں خود کام کرنے کا موقع ملے ہاں دوسرے درجہ یا تیسرے درجہ کے لوگوں کو شامل کیا جاسکتا ہے تا انہیں خود کام کرنے کی مشق ہو اور قومی کاموں کو سمجھ سکیں اور انہیں سنبھال سکیں۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ اس وقت تک انہوں نے جو کام کیا ہے اچھا کیا ہے اور محنت سے کیا ہے...... شروع میں وہ بہت گھبرائے انہوں نے ادھر ادھر سے کتابیں لیں اور پڑھیں اور لوگوں سے دریافت کیا کہ فلاں بات کا کیا جواب دیں۔ مضمون لکھے اور بار بار کاٹے مگر جب مضمون تیار ہو گئے اور انہوں نے شائع کئے تو وہ نہایت اعلیٰ درجہ کے تھے''۔

(الفضل 10/اپریل 1938ء)

اپریل 1938ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مسلسل خطبات کے ذریعہ قادیان اور باہر کی جماعتوں میں اس مجلس کے قیام کا ارشاد فرمایا۔ قبل ازیں مجلس کا کام صرف علمی حد تک تھا۔ مگر اب اس کا پروگرام مندرجہ ذیل تجویز ہوا۔

1۔ اپنے ہاتھ سے روزانہ اجتماعی صورت میں آدھ گھنٹہ کام کرنا۔

2۔ درس وتدریس

3۔ تلقین پابندی نماز

4۔ بیوگان، معذوروں اور مریضوں کی خبرگیری

5۔ تکفین وتدفین اور تقاریب میں امداد وغیرہ

اس بنیادی پروگرام کے ساتھ ساتھ حضرت مصلح موعود نے جماعت کے نوجوانوں کو انسداد آوارہ گردی اور فریضہ دعوت الی اللہ کی ادائیگی کی طرف بھی متوجہ فرمایا۔

ان ابتدائی مراحل سے گزرنے کے بعد بالآخر خدام الاحمدیہ کا مستقل لائحہ عمل حسب ذیل قرار پایا اور اسی کے مطابق مجلس کا کام بھی مختلف شعبوں میں تقسیم کیا گیا۔

1۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نوجوانوں کی تنظیم

2۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نوجوانوں میں قومی روح اور ایثار پیدا کرنا

3۔ دینی تعلیم کی ترویج واشاعت

4۔ نوجوانوں میں ہاتھ سے کام کرنے اور صاف ماحول میں رہنے کی عادت پیدا کرنا

5۔ نوجوانوں میں مستقل مزاجی پیدا کرنے کی کوشش کرنا

6۔ نوجوانوں کی ذہانت کو تیز کرنا

7۔ نوجوانوں کو قومی بوجھ اٹھانے کے قابل بنانے کے لئے ان کی ورزش جسمانی کا اہتمام

8۔ نوجوانوں کو دینی اخلاق میں رنگین کرنا (مثلاً سچ، دیانت اور پابندی نماز وغیرہ)

9۔ قوم کے بچوں کی اس رنگ میں تربیت اور نگرانی کہ ان کی آئندہ زندگیاں قوم کے لئے مفید ثابت ہوسکیں۔

10۔ نوجوانوں کو سلسلہ کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینے کی ترغیب وتحریص۔

11۔ نوجوانوں میں خدمت خلق کا جذبہ

12۔ نوجوانان سلسلہ کی بہتری کے لئے حتی الوسع ہر مفید بات کو جامۂ عمل پہنانا۔

مجلس خدام الاحمدیہ 70 سال گزرنے کے بعد دینی خدمت کے جوش و ولولہ سے بھرے ہوئے نوجوانوں کی عالمی تنظیم ہے جس کا ایک بھرپور اور جامع دستور اور لائحہ عمل ہے۔ یہ تنظیم جماعت احمدیہ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے جس کا ماٹو ہے۔

''قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہوسکتی'' اور

''تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں''

اس تنظیم کی تربیت خلفاء سلسلہ کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی ہے اور خود حضرت مصلح موعود اور پھر خلیفۃ المسیح الثالث اور خلیفۃ المسیح الرابع خلافت سے قبل اس کے صدر رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ نے بھی کلیدی خدمات سرانجام دی ہیں۔

اس مجلس کے تمام اخراجات اس کے ممبران کے چندوں سے سرانجام پاتے ہیں اور اس کی خدمات کے غیر بھی معترف ہیں۔

26 جولائی 1940ء کو حضور نے مجلس اطفال الاحمدیہ کے قیام کا اعلان فرمایا یہ تنظیم مجلس خدام الاحمدیہ کے زیر نگرانی بہترین تربیتی اور تعلیمی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔

مجلس انصاراللہ کا قیام

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تحریک اور رہنمائی میں دسمبر 1922ء سے عورتوں کی تربیت کے لئے لجنہ اماء اللہ اور جنوری 1938ء سے نوجوانوں کی تربیت کے لئے مجلس خدام الاحمدیہ کی تنظیمیں قائم تھیں اور بہت جوش وخروش سے اپنی تربیتی ذمہ داریاں ادا کررہی تھیں اور ان کی وجہ سے جماعت میں خدمت دین کا ایک خاص ماحول پیدا ہوچکا تھا۔ مگر ایک تیسرا طبقہ ابھی ایسا باقی تھا جو اپنی پختہ کاری، لمبے تجربہ اور فراست کے اعتبار سے اگرچہ سلسلہ احمدیہ کی بہترین خدمات بجالا رہا تھا مگر کسی مستقل تنظیم سے وابستہ نہ ہونے کے باعث قوم کی اجتماعی تربیت میں پورا حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ حالانکہ اپنی عمر اور اپنے تجربہ کے لحاظ سے قومی تربیت کی ذمہ داری براہ راست اسی طبقہ پر پڑتی تھی۔ علاوہ ازیں خدام الاحمدیہ کے نوجوانوں کے اندر خدمت دین کے جوش کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے بھی ضروری تھا کہ جب جوانی کے زمانہ کی دینی ٹریننگ کا دور ختم ہو اور وہ عمر کے آخری حصہ میں داخل ہوں تو وہ دوبارہ ایک تنظیم ہی کے تحت اپنی زندگی کے بقیہ ایام گزاریں اور زندگی کے آخری سانس تک دین کی نصرت وتائید کے لئے سرگرم عمل رہیں۔

چنانچہ حضور نے 26 جولائی 1940ء کو چالیس سال سے اوپر کے احمدیوں کی ایک مستقل تنظیم کی بنیاد رکھی، جس کا نام ''مجلس انصاراللہ'' تجویز فرمایا اور آغاز میں قادیان میں رہنے والے اس عمر کے تمام احمدیوں کی شمولیت اس میں لازمی اور ضروری قرار دی۔ انصاراللہ کی تنظیم کا عارضی پریذیڈنٹ مولوی شیر علی صاحب کو نامزد فرمایا۔

اس موقعہ پر حضور نے مجلس انصاراللہ کی نسبت بعض بنیادی ہدایات بھی دیں۔ حضور نے فرمایا:۔

''چالیس سال سے اوپر عمر والے جس قدر آدمی ہیں وہ انصاراللہ کے نام سے اپنی ایک انجمن بنائیں اور قادیان کے وہ تمام لوگ جو چالیس سال سے اوپر ہیں اس میں شریک ہوں۔ ان کے لئے بھی لازمی ہوگا کہ وہ روزانہ آدھ گھنٹہ خدمت دین کے لئے وقف کریں۔ اگر مناسب سمجھا گیا تو بعض لوگوں سے روزانہ آدھ گھنٹہ لینے کی بجائے مہینہ میں 3 دن یا کم وبیش اکٹھے بھی لئے جاسکتے ہیں۔ مگر بہرحال تمام بچوں، بوڑھوں اور نوجوانوں کا بغیر کسی استثناء کے قادیان میں منظّم ہوجانا لازمی ہے۔ ...... تین سیکرٹری میں نے اس لئے مقرر کئے ہیں کہ مختلف محلوں میں کام کرنے کے لئے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے ان کو فوراً قادیان کے مختلف حصوں میں اپنے آدمی بٹھا دینے چاہئیں اور چالیس سال سے اوپر عمر رکھنے والے تمام لوگوں کو اپنے اندر شامل کرنا چاہئے۔ یہ بھی دیکھ لینا چاہئے کہ لوگوں کو کس قسم کے کام میں سہولت ہوسکتی ہے اور جو شخص جس کام کے لئے موزوں ہو اس کے لئے اس سے نصف گھنٹہ روزانہ کام لیا جائے۔ یہ نصف گھنٹہ کم سے کم وقت ہے اور ضرورت پر اس سے بھی زیادہ وقت لیا جاسکتا ہے میرا ان دونوں مجلسوں سے ایسا ہی تعلق ہوگا جیسا مربی کا تعلق ہوتا ہے اور ان کے کام کی آخری نگرانی میرے ذمہ ہوگی یا جو بھی خلیفہ وقت ہو۔ میرا اختیار ہوگا کہ جب بھی مناسب سمجھوں ان دونوں مجلسوں کا اجلاس اپنی صدارت میں بلالوں اور اپنی موجودگی میں ان کو اپنا اجلاس منعقد کرنے کے لئے کہوں۔

یہ اعلان پہلے صرف قادیان والوں کے لئے ہے اس لئے ان کو میں پھر متنبہ کرتا ہوں کہ کوئی فرد اپنی مرضی سے ان مجالس سے باہر نہیں رہ سکتا۔ سوائے اس کے جو اپنی مرضی سے ہمیں چھوڑ کر الگ ہو جانا چاہتا ہو۔ ہر شخص کو حکماً اس تنظیم میں شامل ہونا پڑے گا اور اس تنظیم کے ذریعہ علاوہ اور کاموں کے اس امر کی بھی نگرانی رکھی جائے گی کہ کوئی شخص ایسا نہ رہے جو (بیت الذکر) میں نماز باجماعت پڑھنے کا پابند نہ ہو۔ سوائے ان زمینداروں کے جنہیں کھیتوں میں کام کرنا پڑتا ہے۔ یا سوائے ان مزدوروں کے جنہیں کام کے لئے باہر جانا پڑتا ہے۔ گو ایسے لوگوں کے لئے بھی میرے نزدیک کوئی نہ کوئی ایسا انتظام ضرور ہونا چاہئے جس کے ماتحت وہ اپنی قریب ترین (بیت الذکر) میں نماز باجماعت پڑھ سکیں۔ اس کے ساتھ ہی میں بیرونی جماعتوں کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ خدام الاحمدیہ کی مجالس تو اکثر جگہ قائم ہی ہیں۔ اب انہیں ہر جگہ چالیس سال سے زائد عمر والوں کے لئے مجالس انصاراللہ قائم کرنی چاہئیں۔ ان مجالس کے وہی قواعد ہوں گے جو قادیان میں مجلس انصاراللہ کے قواعد ہوں گے۔ مگر سردست باہر کی جماعتوں میں داخلہ فرض کے طور پر نہیں ہوگا بلکہ ان مجالس میں شامل ہونا ان کی مرضی پر موقوف ہوگا۔ لیکن جو پریذیڈنٹ یا امیر یا سیکرٹری ہیں ان کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ کسی نہ کسی مجلس میں شامل ہوں۔ کوئی امیر نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی عمر کے لحاظ سے انصاراللہ یا خدام الاحمدیہ کا ممبر نہ ہو۔ کوئی پریذیڈنٹ نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی عمر کے لحاظ سے انصاراللہ یا خدام الاحمدیہ کا ممبر نہ ہو اور کوئی سیکرٹری نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی عمر کے لحاظ سے انصاراللہ یا خدام الاحمدیہ کا ممبر نہ ہو۔ اگر اس کی عمر پندرہ سال سے اوپر اور چالیس سال سے کم ہے تو اس کے لئے خدام الاحمدیہ کا ممبر ہونا ضروری ہوگا اور اگر وہ چالیس سال سے اوپر ہے تو اس کے لئے انصاراللہ کا ممبر ہونا ضروری ہوگا۔ اس طرح ڈیڑھ سال تک دیکھنے کے بعد خدا نے چاہا تو آہستہ آہستہ باہر بھی ان مجالس میں شامل ہونا لازمی کردیا جائے گا۔

(الفضل یکم اگست 1940ء)

مجلس انصاراللہ کی تنظیم بھی اب عالمگیر شکل اختیار کرچکی ہے اور تمام دنیا میں احمدیت اور انسانیت کی خاطر قابل رشک خدمات سرانجام دے رہی ہے۔



Shezan
ORANGE SQUASH
MANGO SQUASH
ISPAGHOL
APPLE
ISO 9001 : 2000 Certified

بیتے ہوئے لمحوں کی یادیں

سیدنا ابا جان حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی دلآویز شخصیت

محترمہ صاحبزادی امۃ الرشید بیگم صاحبہ

کتنی تاریک تھی جب ہمارے نہایت ہی پیارے اور محبوب سیدنا ابا جان ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے تھے۔ کتنی بے بسی کا عالم تھا۔ ہم تمام بہن بھائی اور عزیز و اقارب اس محبوب ہستی کے پلنگ کے ارد گرد نہایت بے بسی اور بے چینی کے عالم میں اپنے حقیقی مولیٰ کے حضور تڑپ تڑپ کر دعائیں کر رہے تھے کہ اے خدا تو ہمارے سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قیمتی وجود کو ہم سے جدا نہ کر۔ لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ کیونکہ وہ اس کا بھی پیارا تھا اور بہت ہی پیارا اس لئے اب یہ اس کا اٹل فیصلہ تھا۔ آخر ہم سب کو اپنے آسمانی آقا کے سامنے سر جھکانا ہی پڑا اور آخر وہ وقت آ گیا جب میرے دل و جان سے پیارے میرے محبوب، میرے پیارے ابا جان ہمیں داغ مفارقت دے کر۔ اپنے حقیقی مولیٰ سے جا ملے۔

سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ کیا ہو گیا۔ ہم اس غم کو کیسے برداشت کریں گے۔ دماغ ماؤف ہو کر رہ گئے۔ کئی ماہ تو اسی طرح گزرے کہ دماغ میں کوئی بات آتی ہی نہ تھی۔ خواہش ہوتی تھی کہ بیتے دنوں کی یادیں کبھی لکھوں اور اس سراپا شفقت و محبت کی زندگی کی کچھ جھلکیاں آپ کو بھی دکھاؤں جس نے ہمیں ماں سے بڑھ کر پیار دیا۔ جس نے ساری زندگی دین حق کی خدمت میں دن رات منہمک رہنے کے باوجود ہماری چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رکھا اور ہماری تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آج بھی جبکہ دل قابو میں نہیں، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہے۔ کچھ باتیں لکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ واقعات تو اتنے ہیں کہ ان پر کئی ضخیم کتابیں لکھی جا سکتی ہیں لیکن اپنے آپ میں ہمت نہیں پاتی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ آہستہ آہستہ کچھ نہ کچھ قارئین کی نذر کرتی رہوں گی۔

میں بہت چھوٹی سی تھی جب میری امی فوت ہو گئیں۔ لیکن سیدنا ابا جان نے ہم سے ایسی محبت کی کہ کبھی ماں کی محبت سے محرومی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ ہمارے لئے باپ بھی وہی تھے اور ماں بھی وہی۔ آپ چھوٹی چھوٹی معمولی معمولی باتوں کا اس قدر خیال رکھتے جس کا تصور کرنا ناممکن ہے۔

مجھے آج تک یاد ہے کہ کئی بار ایسا ہوا کہ سیدنا ابا جان نے دیکھا کہ ہمارے بال کچھ الجھے ہوئے ہیں تو اپنے ہاتھ سے ہماری کنگھی کی۔ ہمارے کپڑوں کا خیال رکھتے۔ ہماری غذا اور دواؤں کا پورا اہتمام اپنی نگرانی میں کرواتے تھے۔ تقریباً ہر روز ہی آ کر پوچھتے تھے کہ بچیوں نے دودھ پیا ہے یا نہیں۔ اگر کبھی اس میں غفلت ہو جاتی تو اپنے ہاتھ سے دودھ پلاتے۔ اسی طرح تعلیم و تربیت کی پوری نگرانی فرماتے اور سفر و حضر میں بھی ہمیں اپنے ساتھ رکھتے اور باوجود اس کے کہ آپ کے جماعتی کام اس قدر بڑھے ہوئے تھے اور آپ اتنے عدیم الفرصت تھے کہ آپ کے لئے بچوں کی طرف توجہ دینا بظاہر ناممکن تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی پہلے سے دی ہوئی بشارتوں کے مطابق آپ میں غیر معمولی صلاحیتیں اور عام انسانوں سے بڑھ کر کام کرنے کی طاقت پائی جاتی تھی۔ اس لئے آپ جماعتی کاموں کے ساتھ ساتھ اپنی بیویوں اور بچوں کا بھی پورا پورا خیال رکھتے تھے۔

مجھے اپنے بچپن کے ایک واقعہ کو یاد کر کے اب بھی ہنسی آ جاتی ہے۔ میں سمجھا کرتی تھی کہ شاید ابا جان کو نیند آتی ہی نہیں کیونکہ رات کو میں نے جب بھی دیکھا ابا جان کو دینی کاموں میں مصروف دیکھا اور اسی طرح تمام دن بھی آپ مصروف ہی رہتے تھے۔ ایک دن میں نے سوچا اور دل میں تہیہ کیا کہ آج میں تمام رات جاگوں گی اور دیکھوں گی کہ ابا جان کس وقت سوتے ہیں۔ میں تقریباً دو اڑھائی بجے رات تک انتہائی کوشش سے جاگتی رہی اور اس وقت تک ابا جان لگاتار اپنے کام میں مشغول تھے۔ آخر میں تو تھک کر سو گئی اور کئی دن تک دن رات سو سو کر اپنی نیند کی کمی کو پورا کرتی رہی۔ لیکن سیدنا ابا جان پر میں نے کبھی تھکان کا اثر نہ دیکھا۔ وہ مرد مجاہد اور خدا تعالیٰ کا عاشق اور دین حق کی تعلیم کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے شبانہ روز کوشاں رہا۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ میں تو آپ کو گھریلو زندگی اور آپ کی شفقت و محبت کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالنا چاہتی تھی۔

سیدنا ابا جان کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے بے حد محبت تھی۔ آپ اپنے ہر عزیز اور رشتہ دار کا خیال فرماتے لیکن سب سے بڑھ کر آپ حضرت اماں جان سے محبت کرتے تھے۔ جب سفر سے واپس آتے سب سے پہلے حضرت اماں جان کے پاس جاتے۔ مجھے یاد ہے کہ اگر کبھی راستہ میں کوئی بیوی، بچہ یا کوئی اور عزیز مل جاتا تو آپ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ آپ نے گویا اسے دیکھا ہی نہیں گزر جاتے اور سیدھے حضرت اماں جان کے کمرے میں پہنچ جاتے۔ اس کے بعد کسی اور سے ملتے۔ ہر روز شام کو حضرت اماں جان کے پاس جا کر بیٹھتے۔ حالات دریافت فرماتے اور بسا اوقات رات کا کھانا بھی حضرت اماں جان کے ساتھ ہی تناول فرماتے۔ سفر میں بھی حضرت اماں جان کو اکثر اپنے ساتھ رکھتے اور بیویوں اور بچوں کو یہ ہدایت ہوتی کہ حضرت اماں جان کا خاص خیال رکھنا اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

اسی طرح اپنے بہن بھائیوں سے بھی بہت شفقت و محبت کا سلوک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم لوگ اپنے چچا اور پھوپھیوں کا اسی طرح احترام کرتے رہے جس طرح ماں باپ کا۔

ویسے تو ابا جان کو اپنی ساری اولاد سے بہت پیار تھا لیکن جن بچوں کی مائیں فوت ہو جاتیں ان سے غیر معمولی شفقت و محبت کا سلوک فرماتے اور کبھی ان کو ماں کی کمی کا احساس نہ ہونے دیتے۔ ایک دفعہ ہم منالی پہاڑ پر گئے ہوئے تھے کہ سیدنا ابا جان نے ''تبت پاس'' (Tibet Pass) جانے کا پروگرام بنایا۔ ہم بچوں کو معلوم ہو گیا کہ اس پروگرام میں بچے شامل نہیں ہیں۔ میں ابا جان سے بہت بے تکلف تھی۔ اسی وقت دوڑتی ہوئی گئی اور کہا کہ ہمیں بھی ساتھ لے کر جائیں۔ ابا جان سمجھانے لگے کہ وہ راستہ بہت خطرناک ہے اور بچوں کا جانا ناممکن ہے۔ لیکن میں نے ضد شروع کر دی اور اس قدر اصرار کیا کہ ابا جان نے اپنا سفر بھی ملتوی کر دیا۔ اس پر تمام گھر والے میرے پیچھے پڑ گئے اور کہنے لگے کہ اس نے ہماری سیر خراب کی ہے۔ میری طبیعت پر اس کا بہت اثر ہوا اور میں اداس ہو گئی۔ مجھے اداس دیکھ کر سب کو کہا کہ میری بچی کو کیوں اداس کر دیا ہے۔ میں تو خود اس کے بغیر جانا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور چند لمحوں کے بعد یہ شعر پڑھتے ہوئے آئے۔

تبسم لب پہ ہے ہر دل شناسائے محبت ہے
نہ ظاہر تجھ کو دے دھوکہ یہ لڑکی بیش قیمت ہے

اور بار بار مجھے گلے سے لگا کر یہ شعر پڑھتے۔ اس وقت میری خوشی کی انتہا نہ تھی۔

اسی طرح آپ اپنی اولاد کی اولاد سے بھی بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ میری بچی عزیزہ امۃ البصیر سے بے حد محبت کرتے تھے۔ بچپن میں کبھی اس کو روتا دیکھتے تو اپنی گود میں لے کر کافی دیر تک کندھے سے لگا کر ٹہلتے اور عربی کے دعائیہ اشعار پڑھ پڑھ کر اس کو چپ کراتے۔

عزیزہ امۃ النور ایک دفعہ سندھ میں بہت بیمار ہو گئی۔ ڈبل نمونیا تھا اور بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ میں نے سیدنا ابا جان کو دعا کے لئے تار دیا۔ ابا جان کا جواب آیا۔ نوشی اچھی ہو جائے گی۔ لمبی عمر پائے گی۔ جب آپ کا تار ملا تو نوشی کی طبیعت بہت بہتر تھی اور وہ چند دن ہی میں بالکل تندرست ہو گئی۔ ڈاکٹر حیران تھے اور کہتے تھے کہ اس کی صحت ایک معجزہ ہے۔ اسی عرصہ میں مجھے ابا جان کا ایک خط ملا کہ جس دن تمہارا تار ملا اس سے دو روز قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ نوشی کافی بڑی عمر کی ہے اور نہایت صحت مند ہے اور ابا حضور ابا حضور کہتی ہوئی آ کر مجھ سے لپٹ گئی ہے۔ جب تمہارا تار ملا تو میں سمجھ گیا کہ خواب اس کی شفایابی اور لمبی عمر پانے کے متعلق ہے۔

اسی طرح جب دہلی میں مصلح موعود کا جلسہ ہوا اور مخالفین نے جلسہ میں گڑبڑ ڈالنے اور حضرت مصلح موعود پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت میرے میاں کو بھی ان کے پتھراؤ کے نتیجہ میں سر پر بہت شدید چوٹ آئی کہ دہلی کے تمام بڑے بڑے ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ ان کے بچنے کی کوئی امید نہیں اس وقت بھی میں نے سیدنا ابا جان کو نہایت کرب اور بے چینی کی حالت میں ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ میری بچی امۃ البصیر کو کندھے سے لگا کر ٹہل رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے۔ اسی دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے میرے میاں کو معجزانہ طور پر شفا دی۔ ہندو اور عیسائی ڈاکٹر بھی یہ کہنے پر مجبور تھے کہ یہ حضرت اقدس کی دعاؤں کے نتیجہ میں معجزانہ طور پر شفایاب ہوئے ہیں۔

آپ بعض دفعہ بچوں کا نام رکھتے ہوئے اس چیز کو بھی ملحوظ فرماتے تھے کہ ان کے بزرگوں کے نام پر رکھا جائے تا کہ ان کی یاد تازہ رہے۔ اس لحاظ سے میری چھوٹی بچی کا نام بھی میری امی کے نام پر امۃ الحی رکھا۔ جب بھی امۃ الحی آپ کے سامنے جاتی آپ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور مسکراتے ہوئے فرماتے تم تو اپنی نانی ہو نا۔ وہ بہت خوش ہوتی اور آ کر سب کو بتاتی کہ ابا حضور مجھے اس لئے زیادہ پیار کرتے ہیں کہ میرا نام امۃ الحی ہے۔

آپ کی ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ آپ کی اولاد در اولاد خدمت دین کے لئے وقف ہو۔ میرا بچہ عزیزم ظہیر (ڈاکٹر ظہیر الدین منصور احمد صاحب) جب بھی اپنے ابا حضور کے پاس جاتا۔ آپ اکثر اس سے یہ سوال کرتے۔ میاں تم بڑے ہو کر کیا بنو گے؟ اور پھر خود ہی فرماتے میرا بیٹا تو (مربی) بنے گا اور خدمت دین کرے گا۔ ایک دفعہ اسی طرح ظہیر سے پوچھا کہ تم بڑے ہو کر کیا بنو گے اس نے کہا میں ڈاکٹر بنوں گا۔ کہنے لگے اپنے بڑے ماموں جان جیسے ڈاکٹر بننا۔ ڈاکٹر بھی اور مربی بھی۔ خدمت خلق بھی کرنا اور خدمت دین بھی۔

آپ کو اپنی اولاد کی تربیت کا بھی بے حد خیال رہتا تھا۔ 1956ء کا واقعہ ہے کہ سیدنا ابا جان نے مجھے مری سے خط لکھا کہ تم لوگ بھی میرے پاس مری آ جاؤ۔ میں میاں اور بچے جب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے۔ پروفیسر صاحب (میرے خسر) کہاں ہیں۔ میں نے عرض کیا ربوہ میں۔ آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ مجھ پر بہت

ناراض ہوئے کہ تم ان کو چھوڑ کر کیوں آئی ہو۔ میرا مقصد یہ تو نہیں تھا کہ تم تمہارے میاں اور بچے تو آ جائیں لیکن تمہارے خسر وہاں تنہا رہیں۔ پھر میاں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ تم ربوہ واپس جاؤ اور اپنے والد کو لے کر آؤ۔ میاں حکم کی تعمیل میں ربوہ واپس آئے اور اپنے والد صاحب کو لے کر جب مری پہنچے۔ تو ابا جان بہت خوش ہوئے۔ اسی وقت ان سے ملے اور فرمانے لگے یہ بچے بھی عجیب ہیں آپ کو تنہا چھوڑ کر آ گئے حالانکہ میں نے تو آپ کو بھی بلایا تھا۔ پھر ہمارے تقریباً دو ماہ کے قیام کے دوران سیدنا ابا جان نے ہر طرح سے ان کا خیال رکھا۔ کھانے پر بیٹھتے ہی پوچھتے کہ پروفیسر صاحب کا کھانا گیا ہے یا نہیں اور ان میں کئی بار مجھے ان کا خیال رکھنے کی تاکید فرماتے۔

اسی طرح سیدنا ابا جان نے میرے خسر مرحوم کی بیماری کے آخری ایام میں ان کا بے حد خیال رکھا۔ کئی دفعہ خود تشریف لائے اور متعدد ڈاکٹروں کو بھی اپنے سامنے بٹھا کر علاج کے متعلق مشورے فرماتے رہے۔

ابا جان اپنے دامادوں سے بھی اپنے بچوں کی طرح محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں ابا جان کے ساتھ کراچی گئی میاں ساتھ نہیں تھے۔ ہم چاندنی رات میں کلفٹن کی سیر کے لئے گئے۔ سمندر کے کنارے سب چاندنی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سیدنا ابا جان ٹہلتے ہوئے ہمارے قریب آئے۔ ان کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے فرمانے لگے ؎

احمد تیرے بغیر یہ سیر آب شور
جیسے کہ چاندنی کا ہو کھیت پیش کور

آپ کے دل میں اپنی جماعت کے ہر فرد کے لئے محبت تھی۔ آپ ہر کسی کی تکلیف سے بے چین ہو جاتے اور شب و روز اپنی جماعت کی بلکہ تمام بنی نوع انسان کی بہبودی اور خیر خواہی میں مصروف رہتے۔

میرے محبوب آقا ہر پہلو سے ایک مکمل انسان تھے۔ آپ کے زیر سایہ بیسیوں کنبے پرورش پاتے رہے جن میں بیوہ عورتیں اور یتیم بچے بھی شامل تھے۔ آپ ان کے نازک سے نازک جذبات کا بھی خیال فرماتے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال فرماتے۔ اپنے بچوں کی طرح بلکہ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گی کہ اپنے بچوں سے بھی زیادہ ان سے حسن سلوک فرماتے۔ گھر میں جو لوگ کام کاج کے لئے رکھے جاتے ان کے متعلق ہمیں تاکیدی حکم تھا کہ ان کے لئے نوکر کا لفظ استعمال نہ کیا جائے۔ اسی طرح ہمارے گھر میں سب کے لئے ایک ہی قسم کا کھانا تیار ہوتا۔ کام کرنے والوں اور بچوں کے کھانے میں کوئی تمیز نہ ہوتی۔ جو آپ کھاتے وہی ان کو کھلایا جاتا۔

آپ کو ہمسایہ کے حقوق کا بھی خاص خیال رہتا تھا۔ کھانے پر بیٹھتے ہی فرماتے کہ اپنے ہمسایہ کو بھی اس کھانے میں سے بھجوا دو۔

مضمون لمبا ہو گیا ہے اور واقعات ایک ایک کر کے ذہن میں آتے چلے جا رہے ہیں۔ حضور کے احسانوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں اور نہ ہی میرے اس مختصر سے مضمون میں ان کا تحریر کرنا ممکن ہے۔

اب عشق الٰہی کا ایک واقعہ لکھنے کے بعد میں اپنا مضمون ختم کرتی ہوں۔ غالباً 1940ء کا واقعہ ہے کہ سیدنا ابا جان اور جماعت کے بہت سے احباب نے حضور کے وصال کے متعلق خواب دیکھے جس پر حضور نے جماعت کے نام ایک وصیت لکھی۔ جماعت کو جو محبت اپنے آقا سے تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس وقت جماعت کا ہر بچہ۔ بوڑھا اور جوان اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز تھا اور لوگ روزے رکھ کر اور تہجد کی نماز میں اپنے محبوب آقا کی درازیٔ عمر کے لئے دعائیں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کی گریہ وزاری سن کر تقدیروں کو ٹالنے والا ہے۔ اس نے جماعت کی دعاؤں کو سنا اور قبول فرمایا اور جس طرح اس نے خوابوں کے ذریعہ آپ کے وصال کی خبر دی تھی اسی طرح درازیٔ عمر کی خوشخبری بھی اپنے پیاروں کو دے دی۔ سیدنا ابا جان نے بھی شاید کوئی خواب دیکھا کہ آپ کی عمر بڑھا دی گئی ہے۔ وہ نظارہ آج بھی میرے سامنے ہے۔ جب سیدنا ابا جان مغرب کی نماز کے بعد کھانا کھانے کے لئے تشریف لائے۔ چوکی پر دستر خوان لگا ہوا تھا اور حضور تخت پر گاؤ تکیہ کے سہارے خاموش اور بہت ہی اداس لیٹے تھے۔ کئی بار آپا جان (سیدہ ام طاہر) نے کہا کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ کافی دیر کے بعد آپ ایک دم اٹھے اور دستر خوان کے قریب بیٹھ کر بڑے درد سے یہ شعر پڑھنے لگے۔ ؎

ہم دونوں میں حائل تھی جو دیوار گراں وہ گر نہ سکی
قسمت میں جدائی لکھی تھی میں جا نہ سکا وہ آ نہ سکے

آپا جان نے کہا آج آپ اتنے اداس کیوں ہیں؟ کیا بات ہے؟ اور یہ شعر آپ نے کیوں پڑھا۔ فرمانے لگے میں تو سمجھا تھا کہ بس جلد ہی اب اپنے خدا سے جا ملوں گا لیکن تم لوگوں نے مجھے جانے نہ دیا۔

یہ جذبات خدا سے محبت کرنے والے اس سے عشق رکھنے والے، اس کے ہر حکم پر چلنے والے، اس کے نام کو بلند کرنے والے، اس کی توحید کا پرچم دنیا کے کونے کونے میں گاڑ دینے والے اور اس کی محبت میں دن رات سرشار رہنے والے بندے کے سوا کسی اور کے لئے ممکن نہیں کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ ہمیشہ اس کی رضا کی راہوں پر چلا۔ اس نے اس کی بنائی ہوئی تعلیم پر عمل کیا اور کروایا۔ اللہ اس سے خوش ہے اور وہ اللہ سے جب اس کے حضور حاضر ہو گا تو وہ فوراً ہی اسے اپنے آغوش محبت میں لے لے گا۔

(روزنامہ الفضل 10 دسمبر 1966ء)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے عہد

سیدنا حضرت مصلح موعود کا ایک اہم کارنامہ

تقویم ہجری شمسی کا قیام اور اہمیت و حکمت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خواہش تھی کہ قمری اور شمسی دونوں لحاظ سے ہماری اپنی تقویمیں ہوں

مکرم شیخ خورشید احمد صاحب

خلافت میں خدمت دین کے جو عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور نے اہل حق کی قومی و ملی زندگی سے انگریزوں کی حکومت کی وجہ سے پیدا شدہ عیسائیت کے اثرات و رجحانات کو مٹانے کی سعی فرمائی اور اس کی بجائے دینی روایات کو قائم فرمانے کی کوشش کی۔

اس سلسلے میں حضور کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ حضور نے اپنی جماعت میں سن عیسوی کی جگہ سن ہجری شمسی کو رائج فرمایا۔ حضور نے قرآن مجید پر تدبر کرتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ چاند اور سورج دونوں حساب اور تاریخ بنانے کے لئے مقرر ہیں مگر ہمارے ملک میں تمام دنیوی کاروبار میں قمری مہینوں کی بجائے نظام شمسی کے تحت عیسائیوں کی طرف سے رائج ہونے والا سن عیسوی استعمال کیا جاتا ہے۔ حضور نے محسوس کیا کہ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ قمری تقویم چاند کے لحاظ سے بدلتی چلی جاتی ہے لیکن شمسی نظام کی تاریخیں وقت اور موسم کے لحاظ سے ہمیشہ قائم رہتی ہیں۔ عبادات کے لحاظ سے تو واقعی قمری تقویم مفید ہے کیونکہ اس طرح عبادات سارے سال میں پھیل جاتی ہیں لیکن وقت کی صحیح تعیین کے لئے نظام شمسی کی تقویم زیادہ مفید ہے اور اس سے انسان کو تسلی ہوتی ہے۔ اس لئے حضور نے قرآن مجید سے استدلال کرتے ہوئے یہ فیصلہ فرمایا کہ ہجری شمسی تقویم کا نظام بھی مرتب کیا جائے۔ حضور کی خواہش یہ تھی کہ احمدی کسی صورت میں بھی سن عیسوی کے محتاج نہ رہیں اور قمری اور شمسی دونوں لحاظ سے ان کی اپنی تقویمیں ہوں جنہیں وہ استعمال کریں۔ ہجری شمسی تقویم قائم کرنے کا خیال حضور کے دل میں قرآن کریم پر تدبر کرتے ہوئے کیسے پیدا ہوا اس کی تفصیل خود حضور کے مبارک الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے:۔

سورج اور چاند کا حساب اور تاریخ سے تعلق

حضور نے 28 دسمبر 1938ء کو جلسہ سالانہ کے موقع پر قادیان میں سیر روحانی کے موضوع پر جو بصیرت افروز تقریر فرمائی اس میں حضور نے فرمایا:۔

’’قرآن فرماتا ہے کہ سورج اور چاند یہ دونوں حساب اور تاریخ بتانے کے لئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

کہ ہم نے سورج کو ضیاء اور قمر کو نور بنایا ہے اسی طرح سورج اور چاند کی ہم نے منازل مقرر کر دی ہیں تا کہ تمہیں سالوں کی گنتی اور حساب معلوم ہوا کرے گویا سورج اور چاند دونوں سالوں کی گنتی اور حساب کا ایک ذریعہ ہیں۔

(سورۃ یونس آیت 6)

اسی طرح فرمایا:۔

کہ خدا صبح کو نکالنے والا ہے۔ اسی نے رات کو سکون کا موجب اور سورج اور چاند کو حساب کا ذریعہ بنایا ہے اور یہ فیصلہ ایک غالب اور علم رکھنے والے خدا کا ہے۔

(سورۃ الانعام آیت 97)

پھر فرمایا الشمس والقمر بحسبان

(الرحمٰن آیت 6)

سورج اور چاند دونوں ہم نے حساب کے کام پر لگائے ہوئے ہیں۔ میں نے جب قرآن کریم میں ان آیات کو دیکھا اور ان پر غور و تدبر کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ واقعہ میں تاریخ اور حساب کے ساتھ سورج اور چاند دونوں کا بہت بڑا تعلق ہے اور یہ علوم کبھی ظاہر نہیں ہو سکتے تھے اگر سورج اور چاند کا وجود نہ ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حساب کی وسعت ستاروں کی رفتار سے ہوئی اور جس قدر باریک حساب ہیں وہ علم ہیئت کی وجہ سے ہی ہیں اگر علم ہیئت نہ ہوتا اور ستاروں کی گردشیں اور ان کی رفتاریں مقرر نہ ہوتیں تو اربوں کھربوں کے جس قدر حسابات ہیں۔ وہ کبھی صحیح طور پر نہ ہو سکتے۔ اسی طرح سورج اور چاند اگر نہ ہوتے تو دنوں اور سالوں کا اندازہ نہ ہو سکتا اس لئے کہ اندازہ اور فاصلہ معلوم کرنے کے لئے کسی مستقل چیز کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے جیسے پٹواری جب حساب لگاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں زمین فلاں کنویں سے اتنے کرم کے فاصلہ پر ہے پس کسی مستقل چیز کے بغیر فاصلے کا معلوم کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے سالوں اور دنوں کا بھی اندازہ نہ ہو سکتا اگر سورج اور چاند نہ ہوتے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر سورج اور چاند نہ ہوتے اور یونہی روشنی ہو جاتی یا تاریکی ہو جاتی تو اس طرح بھی دن رات ہو سکتے تھے مگر سوال یہ ہے کہ اگر یونہی روشنی ہو جاتی تو اس کا مستقل کنارہ کون سا ہوتا اور کیونکر معلوم ہوتا کہ فلاں مستقل کنارے سے فلاں سال شروع ہوا ہے اور فلاں مستقل کنارے سے فلاں سال۔

تقویم شمسی کی ضرورت اور اس کی اہمیت

بہر حال چاند اور سورج دونوں کا سالوں مہینوں اور دنوں کے حساب سے تعلق ہے لیکن مجھے خیال آیا کہ چاند سے تو ہم پھر بھی کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہجری قمری ہم میں جاری ہے۔ جس سے لوگ بہت کچھ فائدہ اٹھاتے ہیں مگر سورج سے تو ہم بالکل فائدہ نہیں اٹھا رہے حالانکہ جیسا کہ قرآن کریم بیان کرتا ہے۔ سورج اور چاند دونوں ہی حساب کے لئے مفید ہیں اور دوسری طرف عقلی طور پر بھی اگر دیکھا جائے تو ان دونوں میں فوائد نظر آتے ہیں۔ چنانچہ وقت اور زمانہ کی تعیین کے لحاظ سے سورج مفید ہے اور عبادتوں کو شرعی طریق پر چلانے کے لئے چاند مفید ہے اس لئے کہ چاند کے لحاظ سے موسم بدلتے رہتے ہیں اور انسان سال کے ہر حصہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا قرار پا سکتا ہے۔ مثلاً رمضان ہے۔ اب اس کا انحصار چونکہ قمری مہینوں پر ہے۔ اس لئے 36 سال میں ایک دور ختم ہو جاتا ہے اور اس سال کے بارہ مہینوں میں ہی رمضان کے ایام آجاتے ہیں۔ کبھی جنوری میں آجاتا ہے کبھی فروری میں آجاتا ہے کبھی مارچ میں آجاتا ہے کبھی اپریل میں آجاتا ہے غرض وہ کبھی کسی مہینہ میں آجاتا ہے اور کبھی کسی مہینہ میں اور اس طرح سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں ہر دن ایسا ہوتا ہے جس میں انسان نے روزہ رکھا ہوتا ہے لیکن اگر قمری مہینوں کی بجائے شمسی مہینوں پر روزے مقرر ہوتے تو اگر ایک دفعہ جنوری میں روزے آتے تو پھر ہمیشہ جنوری میں ہی روزے رکھنے پڑتے اور اس طرح عبادت کو وسعت حاصل نہ ہوتی۔ پس عبادت کو زیادہ وسیع کرنے کے لئے اور اس غرض کے لئے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر لحظہ کے متعلق یہ کہہ سکے کہ وہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارا ہے۔ عبادت کا انحصار قمری مہینوں پر رکھا گیا ہے لیکن وقت کی تعیین صحیح کے لئے سورج مفید ہے اور سال کے اختتام یا اس کے شروع ہونے کے لحاظ سے انسانی دماغ سورج سے قبل ہی تسلی پاتا ہے۔ بہر حال مجھے خیال آیا کہ ہم (-) نے قمری تاریخوں سے تو فائدہ اٹھایا ہے لیکن شمسی تاریخوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ حالانکہ قمری شمسی دونوں میں فوائد ہیں اور چونکہ ہر انسان شمسی حساب پر مجبور ہوتا ہے اس لئے (-) نے بھی مجبوراً عیسوی سنہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اگر ہم ہجری قمری کے ساتھ ہجری شمسی بھی بناتے اور ہجری قمری تاریخوں کے بالمقابل ہجری شمسی تاریخیں بھی ہوتیں تو قطعاً کوئی جھگڑا نہ ہوتا۔

اب اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ 622 ہجری کب تھا اور اس وقت شمسی لحاظ سے کون سا سال تھا تو وہ فوراً معلوم نہیں کر سکتا اور محض 622 ہجری کہنے سے اس کی تسلی نہیں ہوتی کیونکہ سال کے لحاظ سے انسانی دماغ سورج ہی سے تسلی پاتا ہے اسی وجہ سے لوگ ہجری قمری سالوں کے عیسوی سنہ معلوم کرتے ہیں اور اس طرح خواہ مخواہ (-) بھی عیسوی سنہ کو اپنے اندر رائج کئے ہوئے ہیں۔

میرے نزدیک ضروری تھا کہ جس طرح ہجری قمری بنائی گئی تھی اسی طرح ہجری شمسی بھی بنائی جاتی اور ان دونوں سے فائدہ اٹھایا جاتا مگر مجھے یہ بات جنتر منتر کو دیکھ کر سوجھی اور میں نے اسی وقت سے تہیہ کر لیا کہ اس بارہ میں کامل تحقیق کر کے عیسوی سنہ کی بجائے ہجری شمسی سنہ جاری کر دیا جائے گا۔ جب میں واپس آیا تو اتفاق کی بات ہے کہ مجھے اس بارہ میں اپنی لائبریری سے ایک کتاب بھی مل گئی۔ میرے ساتھ خدا تعالیٰ کی یہ عجیب سنت ہے کہ مجھے جب بھی کسی چیز کی شدید ضرورت ہو وہ آپ ہی آپ میرے سامنے آجاتی ہے......

اسی طرح میں بعض اور کتابوں کی تلاش کر رہا تھا کہ اتفاقاً ایک کتاب نکل آئی جس کا نام ’’تقویمنا الشمسی‘‘ اس میں مصنف نے بحث کرتے ہوئے تاریخی طور پر اس بات کو ثابت کیا ہے کہ (-) میں دیر سے یہ خیال چلا آ رہا ہے کہ ہجری قمری کی طرح ہجری شمسی بھی ہونی چاہئے۔ وہ کہتا ہے کہ خلفاء عباسیہ نے بھی ہجری شمسی تقویم بنانے کی کوشش کی مگر اس میں فلاں فلاں روک پیدا ہو گئی۔ اسی طرح وہ لکھتا ہے کہ بعد میں دولت عثمانیہ نے بھی ہجری شمسی بنائی مگر رائج نہ ہو سکی۔ غرض اس نے تاریخی طور پر اس کتاب میں بحث کی ہے کہ (-) میں یہ خیال کب پیدا ہوا اور کیا کیا نقائص ہوتے رہے۔ بہر حال یہ خیال (-) میں دیر سے پایا جاتا ہے بلکہ اس حد تک یہ خیال مضبوطی سے گڑا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف کتاب کا نام محض تقویم شمسی نہیں رکھتا۔ بلکہ ’’تقویمنا الشمسی‘‘ رکھتا ہے یعنی ہماری اپنی شمسی ہجری تقویم۔

میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آئندہ عیسوی شمسی سنہ کی بجائے ہجری شمسی سنہ جاری کی جائے اور عیسوی سنہ کے استعمال کو ترک کر دیا جائے۔ میرا ارادہ ہے کہ ایک دو مہینہ تک اس بارہ میں پوری تحقیق کر کے ہجری شمسی سنہ جاری کر دیا جائے اور آئندہ کے لئے عیسوی سنہ کا استعمال چھوڑ دیا جائے۔ خواہ مخواہ عیسائیت کا ایک طوق ہماری گردنوں میں

کیوں پڑا ہے''۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنی اس تقریر کے بعد جنوری 1939ء کے آغاز میں ہی تقویم ہجری شمسی کی ترویج کے لئے ایک سب کمیٹی قائم فرمائی جس کے ممبر حضور نے مندرجہ ذیل احباب کو نامزد فرمایا:۔

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث)، حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب حلالپوری، حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل۔ حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب حلالپوری چونکہ پہلے ہی از خود ایک قمری تقویم تیار کر رہے تھے اور اس معاملہ میں بہت عبور رکھتے تھے۔ اس لئے کمیٹی نے تقویم کا ڈھانچہ تجویز کا کام آپ ہی کے سپرد کیا۔ چنانچہ آپ نے ایک خاکہ تجویز کیا جس پر کمیٹی نے غور کیا اور پھر اپنی سفارشات کے ساتھ اسے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور نے جنوری 1940ء کے آغاز میں اس کی منظوری عطا فرمائی اور یوں حضور کی تحریک اور توجہ سے ہجری شمسی تقویم رائج ہوئی اور ایک اہم ضرورت پوری ہوئی۔

اس تقویم کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ مہینوں کے نام ایسے تجویز کئے گئے جن سے دینی تاریخ کے اور رسول مقبول ﷺ کی حیات طیبہ کے اہم واقعات کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ہجری شمسی تقویم کی منظوری اور اجراء کے سلسلے میں حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب حلالپوری نے ایک اہم مضمون رقم فرمایا جس میں آپ نے بتایا کہ تقویم ہجری شمسی کے اجراء میں کئی امور کو پیش نظر رکھا گیا اور ہجری شمسی مہینوں کے جو نام تجویز کئے گئے۔ ان کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔ اس مضمون کے چند اہم حصے افادۂ احباب کے لئے درج ذیل کئے جاتے ہیں تا کہ احباب کو اور بالخصوص جماعت کی نسل کو اس تقویم کی ضرورت واہمیت کا علم ہو سکے۔

تقویم ہجری شمسی کی ترتیب و تجویز

حضرت مولوی صاحب نے تحریر فرمایا کہ:

ہجری شمسی تقویم کے مرتب کرنے کے ساتھ تعلق رکھنے والے ضروری امور پر غور کر کے اس بارے میں رپورٹ پیش کرنے کے لئے حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی نے 1939ء کے اوائل میں ایک کمیٹی مقرر فرمائی اور اس کے چار ممبر متعین فرمائے...... اور ارشاد فرمایا کہ اس کیلنڈر کا ڈھانچہ تیار کر کے پیش کیا جائے اور اس میں دوسرے مروجہ شمسی کیلنڈروں کی نسبت مروجہ عیسوی کیلنڈر کو مقدم طور پر سامنے رکھا جائے۔ (جو درحقیقت عیسوی کیلنڈر نہیں بلکہ رومی کیلنڈر ہے جسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے 527 سال بعد صرف اس قدر تبدیلی کے ساتھ کرسچین کیلنڈر بنا لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے سالوں کے اعداد اس میں سے کم کر دیئے اور بس

لیکن چونکہ اس کے کئی ایک مہینوں کے نام مشرکانہ ہیں اس لئے مہینوں کے نام کوئی اور تجویز کئے جائیں جو مناسب اور موزوں ہوں اور عیسوی کیلنڈر کی اصلاح کے لئے جو تبدیلی اس میں عیسائیوں نے کی ہے جس کے ماتحت اس کیلنڈر کو اب چلایا جا رہا ہے اس مجوزہ کیلنڈر میں شروع سے ہی ملحوظ رکھا جائے...... چنانچہ میں نے اس کا ایک خاکہ مرتب کر کے کمیٹی کے آگے پیش کیا اور کمیٹی نے اس کے ساتھ اپنی رائے شامل کر کے اسے حضور کی خدمت میں پیش کیا اور کمیٹی نے اس کے ساتھ اپنی رائے شامل کر کے اسے حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور نے اس کے متعلق تمام ممبران کی آراء سن کر حسب ذیل فیصلہ فرمایا:

مروجہ عیسوی کیلنڈر کا کوئی نیا سال جس روز سے شروع ہوگا اسی روز سے ہجری شمسی سال کا آغاز شمار ہوگا اور سال کے دنوں کی تقسیم بھی مہینوں پر مروجہ عیسوی کیلنڈر کی طرح ہی ہوگی اور لیپ سال بھی وہی شمار ہوں گے جو مروجہ عیسوی کیلنڈر میں شمار کئے جاتے ہیں اور پہلے ہجری شمسی سال کا آغاز بھی 622ء کے آغاز کے وقت سے محسوب ہوگا۔ لیکن چونکہ عیسوی کیلنڈر کے سابقہ طریق شمار میں غلطی سے ہر صدی میں لیپ کے 25 سال گنے جاتے تھے اور ساتویں صدی کے آغاز کے وقت تک اس غلطی کی وجہ سے تین دن زائد شمار ہو چکے تھے اس لئے 1 ہش (ہجری شمسی) کے آغاز کے دن کی عیسوی تاریخ یکم جنوری 622ء نہیں بلکہ 29 دسمبر 621ء محسوب ہوگی...... مروجہ عیسوی کیلنڈر کے کسی سال اور کسی مہینہ کے آغاز کے دن اور اس کے مقابل کے ہجری شمسی سال اور مہینہ کے آغاز کے دن میں اب کوئی فرق نہیں ہوگا اور 1319ء ہش کے آغاز کا دن وہی محسوب ہوگا جو 1940ء کے آغاز کا دن تھا۔

ہجری شمسی مہینوں کے نام

ہجری شمسی سنہ کے مہینوں کے نام حضور نے حسب ذیل منظور فرمائے ہیں:۔

1۔ ماہ صلح بمقابل جنوری

اس مہینہ میں آنحضرت ﷺ ایک رویا کی بنا پر تین ہزار صحابہ کرامؓ کی معیت میں عمرہ کے لئے بیت اللہ شریف کی طرف روانہ ہوئے مگر کفار قریش مزاحم ہوئے۔ اس وجہ سے حدیبیہ کے مقام سے آپ کو واپس ہونا پڑا۔ لیکن اس موقع پر ان لوگوں کے ساتھ آپ کا ایک صلح کا معاہدہ ہو گیا جس کا نام اللہ تعالیٰ نے فتح مبین رکھا ہے۔ اس صلح کے نتیجے میں لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے گویا دریا کا بند ٹوٹ گیا۔

2۔ ماہ تبلیغ بمقابل فروری

اس مہینہ میں حضرت رسول کریم ﷺ نے بادشاہوں کی طرف تبلیغی خطوط ارسال فرمائے اور انہیں اسلام کی دعوت پہنچائی۔

3۔ ماہ امان بمقابل مارچ

اس مہینہ میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری جانوں، تمہارے مالوں اور تمہاری عزت و آبرو کو ویسی حرمت بخشی ہے جیسی کہ اس نے حج کے دن کو، حج کے مہینہ کو اور حج کے مقام مکہ معظمہ کو حرمت عطا کی ہے۔

4۔ ماہ شہادت بمقابل اپریل

اس مہینہ میں دشمنان اسلام نے دھوکہ اور غداری سے کام لے کر اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست کر کے کہ ہمیں دین اسلام کی تعلیمات سکھانے کے لئے ہمارے ہاں معلم اور مبلغ بھیجے جائیں اور اس طرح اکابر صحابہؓ کو اپنے ہاں بلا کر بے دردی کے ساتھ انہیں شہید کیا اور ایک مہینہ میں دوبار یہ غداری کی۔ ایک تو رجیع کے مقام پر جہاں آپؐ نے چھ یا سات اکابر صحابہ کرام کو بھیجا تھا۔ جن میں سے ایک یا دو کو تو ان لوگوں نے پکڑ کر قریش کے پاس جا کر بیچ دیا اور باقی سب کو شہید کر دیا اور دوسرے بئر معونہ کے مقام پر جہاں آپؐ ابو براء کلابی رئیس بنی کلاب کی درخواست پر اور اس کی ذمہ داری پر ستر انصار کو جو نہایت مقدس لوگ اور قرآن کریم کے حافظ اور ماہر تھے، ان لوگوں کی تعلیم و تربیت کی غرض سے بھیجا۔ ان لوگوں نے سوائے ایک انصاری کے جسے وہاں کے سردار نے ایک غلام کو آزاد کرنے کے متعلق اپنی ماں کی نذر پوری کرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا باقی تمام کو شہید کر دیا۔

5۔ ماہ ہجرت بمقابل مئی

اس مہینہ میں آنحضرت ﷺ نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں قیام اختیار فرمایا۔

6۔ ماہ احسان بمقابل جون

اس مہینہ میں آنحضرت ﷺ نے بنی طے کے اسیروں کو حاتم کے ساتھ ان کی قومی نسبت کی وجہ سے از راہ کرم و احسان آزادی بخشی۔

7۔ ماہ وفا بمقابل جولائی

اس مہینہ میں غزوہ ذات الرقاع ہوا تھا جس میں سفر کی شدت اور سواری کی کمی کی وجہ سے پیدل چلنے کے باعث صحابہ کرامؓ کے پاؤں چھلنی ہو گئے اور صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ کے پاؤں کے ناخن بھی جھڑ گئے اور انہوں نے اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر اور پاؤں پر لپیٹ لپیٹ کر اس کا راستہ طے کیا اور اسی وجہ سے اس مہم کا نام ذات الرقاع مشہور ہو گیا اور اسی موقع پر صلوٰۃ الخوف کا حکم نازل ہوا۔ غرض اس جنگ میں بھی صحابہ کرامؓ نے خارق عادت طور پر اپنے صدق و صفا اور تسلیم و رضا کا نمونہ دکھایا تھا۔

8۔ ماہ ظہور بمقابل اگست

اس مہینہ میں جنگ موتہ کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے بیرون عرب میں اسلام کی اشاعت اور ظہور یعنی غلبہ کی بنیاد رکھوائی۔ اس واقعہ سے قبل آپ نے ہرقل کے مقرر کردہ امیر بصریٰ کی طرف حضرت حارث ابن عمیر ازدی رضی اللہ کے ہاتھ ایک تبلیغی خط بھیجا تھا جب وہ موتہ کے مقام پر پہنچے تو شرجیل غسانی نے انہیں باندھ کر قتل کر دیا جس پر رسول اللہؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے تحت تین ہزار صحابہ کرام کی فوج وہاں بھیجی اور ارشاد فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائے تو اس کی جگہ جعفرؓ بن ابی طالب لے لے۔ وہ شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہؓ اس کی جگہ پر کھڑا ہو جائے اور وہ شہید ہو جائے تو مسلمان اپنے میں سے کسی کو امیر بنالیں اور اسی ترتیب سے وہ اس جنگ میں شہید ہوئے۔

9۔ ماہ تبوک بمقابل ستمبر

اس مہینہ میں جنگ تبوک کے موقعہ پر مخلصین کے اخلاص کا مختلف صورتوں میں امتحان ہوا اور انہوں نے اپنے اپنے رنگ میں اعلیٰ سے اعلیٰ جوہر ایمان دکھائے۔

10۔ ماہ اخاء بمقابل اکتوبر

اس مہینہ میں آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں سے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے درمیان خاص طور پر اخوت کا تعلق قائم کیا جس کے نتیجہ میں مہاجرین اور انصار کے تعلقات سگے بھائیوں سے بھی بڑھ گئے۔

11۔ نبوت بمقابل نومبر

اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو منصب نبوت و رسالت بخشا۔

12۔ ماہ فتح بمقابل دسمبر

اس مہینہ میں آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر اپنے خونخوار دشمنوں کو لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر عفو عام کا اعلان فرمایا۔

(الفضل 26 جون 1940ء)

جماعت کے سب احباب کو چاہئے کہ وہ ہجری شمسی تقویم کی ترویج کی زیادہ سے زیادہ کوشش فرمائیں۔ بلکہ دیگر بھائیوں پر بھی اس کی اہمیت اور افادیت واضح کرنے کی کوشش کریں۔

ذہنی، اخلاقی اور روحانی بیماریوں کا ہومیوپیتھی علاج

سیدنا حضرت مصلح موعود کا ایک عظیم نکتہ اور اس کی تکمیل

مکرم صدیق اشرف علی صاحب

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد جو حضرت اقدس مسیح موعود کے دوسرے خلیفہ تھے، کے بارہ میں جماعت احمدیہ کے بانی حضرت مسیح موعود نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ ’’وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا‘‘۔

وہی عظیم اور موعود فرزند حضرت مصلح موعود اپنے ایک معرکۃ الآراء خطاب ’’عرفان الٰہی‘‘ میں 1919ء میں فرماتے ہیں:۔

’’دنیا میں آج تک اس بات کو بہت کم سمجھا گیا ہے بلکہ انبیاء اور اولیاء کو علیحدہ کر کے مَیں کہہ سکتا ہوں اور کسی نے سمجھا ہی نہیں کہ بہت سی بدیاں ایسی ہیں جو شرعی بدیاں ہیں، لیکن ان کا ارتکاب کرنے والا کسی شرعی گناہ کا مجرم نہیں ہوتا بلکہ وہ کسی جسمانی بیماری کا مریض ہوتا ہے۔ یہ ایک وسیع مضمون ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق مجھے خاص علم دیا ہے...... اس وقت بعض بڑے بڑے ڈاکٹروں کی توجہ اس طرف ہو رہی ہے لیکن تاحال ان کی تحقیقات عالم طفولیت میں ہے۔ مگر اس بارہ میں مجھے جو علم دیا گیا ہے وہ ایسا وسیع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان لوگوں کی تحقیقات سے بہت وسیع ہے...... جس سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ شرعی گناہوں کی ایسے رنگ میں تقسیم ہو سکتی ہے کہ فلاں قسم کا گنہگار ڈاکٹر کے پاس جانا چاہئے اور فلاں قسم کا بزرگ کے پاس۔ مَیں نے یہاں تک تو تحقیقات کر لی ہے کہ بعض انسان شرعی گناہ جسمانی بیماری کی وجہ سے کرتے ہیں...... بات یہ ہے کہ جسم اور روح کا ایک دوسرے پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے اس کے متعلق بہت تفصیل سے لکھا ہے اور بتایا ہے کہ جب جسم میں بیماری پیدا ہو جائے تو روح میں بھی پیدا ہو جاتی ہے...... اس علم کا دروازہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کے ذریعہ کھولا ہے اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء اس کو اور زیادہ وسیع کریں گے۔ مَیں نہیں جانتا مجھے اس کو وسعت دینے کا موقعہ ملے گا یا نہیں‘‘۔

(عرفان الٰہی صفحہ 35-36)

آپ مزید فرماتے ہیں:۔

’’مجھے اگر فرصت ملی تو مَیں اس تحقیقات کو مکمل کروں گا۔ لیکن اگر مَیں نہ کر سکوں تو تم لوگ یاد رکھو کہ روحانی امراض کے بعض ایسے علاج ہیں جو ڈاکٹروں کے ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ اس بات کو مدنظر رکھ کر تم اپنے طور پر کوشش میں لگے رہو اور اپنی تحقیقات سے ان لوگوں کی امداد کرو جن کی توجہ اس طرف ہو رہی ہے اور جو اس کے لئے کوشش کر رہے ہیں تا کہ دنیا میں ایک نیا انقلاب واقع ہو اور دنیا ایک قدم اور ترقی کرے۔

فی الحال مَیں اس قدر بیان کر دیتا ہوں کہ بعض روحانی بیماریاں ایسی ہیں جن کے علاج کے لئے کسی عارف اور ولی اللہ کے پاس نہیں جانا چاہئے بلکہ کسی ڈاکٹر اور طبیب کو تلاش کرنا چاہئے کیونکہ اس قسم کی بیماریاں یا تو پٹھے کے اعصاب کی کمزوری اور نقص سے ہوتی ہیں اور یا دماغ کے اعصاب کے نقص یا خاص خاص بیماریوں کے نتیجہ میں ہوتی ہیں۔ مثلاً بعض اوقات زنا ایک اخلاقی یا مذہبی جرم نہ ہوگا بلکہ کسی خاص دماغی بیماری کا نتیجہ ہوگا۔ اسی طرح بعض ڈاکے بعض چوریاں، بعض جھوٹ خاص خاص نقصوں کے نتیجہ میں ہوں گے۔ ان کا علاج روحانی ریاضتوں سے اس عمدگی سے نہیں ہو سکتا جتنا جسمانی علاج کے ذریعہ‘‘۔

اسی طرح آپ فرماتے ہیں:۔

’’مگر ابھی چونکہ میری تحقیقات مکمل نہیں ہو سکیں اس لئے مَیں اس مضمون کو اس وقت تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کر سکتا اور کسی اور وقت پر چھوڑتا ہوں۔ اپنے لئے یا آپ میں سے کسی کے لئے جس کو خدا تعالیٰ اسے بیان کرنے کی توفیق دے‘‘۔

(عرفان الٰہی صفحہ 37-38)

عظیم مضمون کی تفصیل

ہومیوپیتھی کے ذریعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی کہ وہ حضرت مصلح موعود کے بیان فرمودہ اس مضمون کو آگے بڑھائیں۔ آپ نے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کی خاطر بے شمار کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان میں سے ایک عظیم کارنامہ ہومیوپیتھی طریق علاج کی ترویج ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے اپنی ہومیوپیتھی کتاب میں مختلف موقعوں پر اس بات کو وضاحت سے پیش کیا ہے کہ بعض بیماریاں جو بظاہر اخلاقی اور روحانی معلوم ہوتی ہیں وہ دراصل جسمانی بیماریاں ہیں اور ان کا علاج ہومیو دوائیوں سے احسن رنگ میں کیا جا سکتا ہے۔ نمونے کے طور پر ان میں سے صرف چند ایک قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

لیکسس

ایک ہومیو دوائی جس کا نام لیکسس (Lachesis) ہے، اس کے ذکر میں فرمایا:

’’لیکسس (Lachesis) کے مریض خطرناک قسم کے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شروع شروع میں وہ سوچنے لگتے ہیں کہ سب لوگ ان کے خلاف باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ یا ان کے کھانے پینے میں کچھ ملا دیا گیا ہے۔ وہ اپنے قریبی عزیزوں پر بھی شک کرتے ہیں۔ بعد میں یہ علامتیں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ ایسے مریضوں کو لیکسس دینا ضروری ہے۔ (صفحہ 547)

اسی دوا کے سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں:۔

’’ایک مریض بچی میرے پاس لائی گئی جو چوری کی عادت میں مبتلا تھی۔ پوچھنے پر کہتی تھی اللہ کا حکم ہوتا ہے اس لئے کرتی ہوں۔ ایسے مریضوں کا علاج لیکسس سے کرنا چاہئے۔ جو خدا کے حکم پر اسی کی نافرمانی کریں...... مذہبی رجحانات غیر معمولی شدت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ شدت لیکسس سے تعلق رکھتی ہے۔ مگر اس کی سب سے خطرناک علامت یہ ہے کہ ان کے دل میں بعض دفعہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کا حکم ہے کہ وہ کسی کو قتل کر دیں............ ایسے مریض بعض دفعہ واقعتاً قتل بھی کر دیتے ہیں یا قتل کرنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں‘‘۔ (صفحہ 548)

پھر فرماتے ہیں:۔

’’ڈاکٹر کینٹ کا خیال ہے کہ اس دوا کا کسی خاص علاقے سے تعلق نہیں بلکہ تمام دنیا میں ہر جگہ اس دوا کو مفید پایا گیا ہے۔ لیکسس کے زہر میں جو شر اور تیزی پائی جاتی ہے وہ دنیا کے تمام بدکار انسانوں اور بگڑے ہوئے مزاجوں میں پائی جاتی ہے۔ یعنی شدید حسد، شرارت، فساد وغیرہ کا رجحان‘‘۔ (صفحہ 540)

گویا ایسے مزاج والے لوگوں کا علاج ہومیو دوائی لیکسس (Lachesis) سے ممکن ہے۔

سلفر

ایک اور ہومیو پیتھک دوا ’سلفر‘ (Sulpher) کے بارہ میں حضور فرماتے ہیں:۔

’’سلفر کے مریض کو فلسفی بننے کا بہت شوق ہوتا ہے اور کچھ مزاجاً فلسفی ہوتے بھی ہیں۔ اگر یہ شوق جنون کی حد تک بڑھ جائے تو اونچی طاقت میں سلفر کی ایک دو خوراکوں سے کافی فرق پڑ جاتا ہے۔ ان میں سے بعض اقتصادی فلسفی ہوتے ہیں جو ہر وقت سکیمیں بناتے رہتے ہیں۔ لیکن عملی طور پر کچھ نہیں کرتے ...... بہت سست مزاج ہوتے ہیں۔ کسی کام میں ان کا دل نہیں لگتا۔ اپنی سوچوں میں ہی مقید رہتے ہیں۔ ان کا علاج بھی سلفر کی اونچی طاقت ہے۔ (صفحہ 784)

کینابس انڈیکا

Cannabis Indica. نامی دوائی کے سلسلہ میں حضور فرماتے ہیں:۔

’’کینبس کا مریض...... مسلسل بے تکی بحثیں کرتا رہتا ہے۔ اس کی سوچ میں منطقی ربط نہیں رہتا...... اچھی بھلی بات کرتے کرتے بغیر دلیل اور بغیر منطق کے کچھ اور بولنے لگتا ہے‘‘۔ (صفحہ 224)

کیلاڈیم

Cladium دوائی کے بارہ میں فرماتے ہیں:۔

’’کلیڈیم کی خاص علامت یہ ہے کہ مریض کوئی کام کر کے سوچے گا کہ اس نے کیا ہے یا نہیں۔ کوئی بات کسی کو کہی تھی، نہ معلوم کہی کہ نہیں...... ایسے مریض ذہنی طور پر بہت تھک جاتے ہیں اور آخر علمی کام ان کے بس میں نہیں رہتا‘‘۔ (صفحہ 185)

آرم میٹیلیکم

حضور ایک ہومیو دوائی کی تشخیص کے لئے مریض کے مزاج کے بیان میں فرماتے ہیں:۔

’’آرم میٹیلیکم (Aurum Met.) کا مریض بظاہر اپنی ذات میں گُم، مایوس اور پژمردہ دکھائی دیتا ہے لیکن جب اُسے کسی بات پر غصہ دلایا جائے تو اس کی اپنی جان لینے کی خواہش دوسروں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور وہ قتل تک کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے‘‘۔ (صفحہ 111)

کیمومیلا

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے ایک اہم ہومیو دوائی کیمومیلا دینے کے لئے مریض کی پہچان اور اس میں پائی جانے والی علامات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

’’کیمومیلا (Chamomilla) کے مزاج کی یہ مستقل علامت ہے کہ اس کے مریضوں میں فراخدلی کی کمی ہوتی ہے۔ طبیعت میں کسی قدر خساست پائی جاتی ہے۔ کسی دوسرے کی پرواہ نہیں کرتے۔ نہ کسی کی تکلیف محسوس کرتے ہیں نہ کسی کی ضرورت کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن ہر وقت اپنے معاملہ میں بے حد زودحس ہوتے ہیں۔ ہر وقت اپنی ذات سے چمٹے رہتے ہیں اور صرف اپنا ذاتی مفاد ہی پیش نظر رہتا ہے دوسروں پر اچانک غصہ آنا بھی اسی مزاج کا حصہ ہے‘‘۔ (صفحہ 271)

آیوڈم

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایک اور ہومیو دوائی ’آیوڈم‘ (Iodum) سے متعلق مریضوں کے مزاج کی تشخیص کے سلسلہ میں بیان فرماتے ہیں:

’’اس میں شدید غصّے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں...... اگر ایسے مریض کا بچپن میں آیوڈین سے علاج نہ کیا جائے تو بڑا ہو کر نہایت خطرناک مجرم بھی بن سکتا ہے۔ اور بغیر کسی محرک کے قتل و غارت میں ملوث ہو سکتا ہے‘‘۔ (صفحہ 469)

نکس وامیکا

نکس وامیکا (Nux Vomica) میں بھی یہ خطرناک علامت پائی جاتی ہے کہ اس کی مریضہ کے دل میں بے اختیار یہ خواہش ابھرنے لگتی ہے کہ وہ اپنے بچے کو آگ میں جھونک دے یا بے حد محبت ہونے کے

باوجود خاوند کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ پھر وہ اس ارادہ سے سخت خوفزدہ بھی ہو جاتی ہے...... اگر مریض کی دیگر علامتیں آیوڈین کا تقاضا کرتی ہوں تو یہ دوا بہت مفید ثابت ہوگی"۔ (صفحہ 470)

ہومیو دوائی نکس وامیکا (Nux Vomica) کے مزاج کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

"نکس وامیکا کی ایک دلچسپ علامت یہ ہے کہ جو شخص بدطینت اور کینہ پرور ہو، ہروقت دوسروں کی عیب جوئی کرتا رہے اور ان میں نقص تلاش کرتے رہنے کا عادی ہو تو نکس وامیکا اونچی طاقت میں دینے سے ایسے مریضوں کی ذہنی حالت درست ہونے لگتی ہے اور ان میں حسد کا مادہ کم ہو جاتا ہے۔ لیکن ہرگز ضروری نہیں کہ نکس وامیکا کے ہر مریض میں حسد کا رجحان پایا جائے"۔ (صفحہ 643-642)

ٹیرینٹولا

"ٹیرینٹولا (Tarentula Hispania) کا مریض عموماً یہ خیال کرتا ہے کہ اس کی ہتک کی جارہی ہے جس کی وجہ سے وہ اندر ہی اندر کھولتا رہتا ہے اور سکیمیں بناتا ہے۔ اگر کوئی لومڑی کی طرح چالاک ہو اور ساتھ کچھ پاگل بھی ہو تو اسے ٹیرینٹولا اونچی طاقت میں دینا چاہئے۔ ٹیرینٹولا کا مریض بیمار نہ بھی ہو تو ہر بیماری کا ڈرامہ رچا سکتا ہے"۔ (صفحہ 793)

"ٹیرینٹولا کے مریض میں ہوش کے دوران بھی بے حیائی کا رجحان پایا جاتا ہے...... وہ ہر جائز اور ناجائز ذریعہ سے اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ ایسے مریض کو ٹیرینٹولا اونچی طاقت میں دینا ضروری ہے۔ (صفحہ 792-791)

سلفیورک ایسڈ

ایک اور سماجی اور اخلاقی خرابی کے سلسلہ میں حضور فرماتے ہیں:۔

"سلفیورک ایسڈ شراب کی پرانی عادت توڑنے کی بہترین دوا ہے ...... ایک بڑے گلاس پانی میں خالص سلفیورک ایسڈ کا ایک قطرہ ملا دینا چاہئے۔ اس پانی کو دن بھر تین خوراکوں میں ختم کر دینا چاہئے .... دنیائے طب میں غالباً اس مرض کی اس سے بہتر کوئی دوا نہیں۔" (صفحہ 790)

سگریٹ کی عادت چھڑوانے کے لئے بھی حضور اسی دوا کو تجویز فرماتے ہیں۔ (صفحہ 869)

لیلئیم ٹگ

لیلئیم ٹگ (Lillium Tig) نامی دوا کے بارہ میں آپ فرماتے ہیں:۔

"لیلئیم ٹگ کا مریض متشدد مذہبی خیالات کا مالک ہوتا ہے۔ اگر وہ اذیت پسند ہو اور ہسٹریائی مزاج بھی رکھتا ہو تو یہ دوا اس کے لئے بہترین ہے۔"

(صفحہ 565)

ایک اور اخلاقی بیماری کے علاج کے لئے ایک مفید دوائی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

فلورک ایسڈ

"فلورک ایسڈ (Fluoricum Acidum) ایسے لوگوں کے لئے بھی بہترین دوا ہے جو جنسی بے راہروی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو بالکل بیکار اور ناکارہ کر لیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بدنظری سے باز نہیں آتے اور نظر بازی کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے فلورک ایسڈ، پکرک ایسڈ لائیکو پوڈیم اور سیپیا اپنے اپنے مزاج کے مریضوں میں بہترین ثابت ہوتی ہیں"۔ (صفحہ 391)

نیٹرم میور

ایک اور اہم دوا "نیٹرم میور" (Natrum Mur.) کے بارہ میں فرماتے ہیں:۔

"نیٹرم میور کا مریض فرضی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بعض بوڑھی عمر کی عورتیں بھی ایسی فرضی محبت میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اگر محبت کا علاج دوا سے ممکن ہے تو ایسی عورتوں کا علاج نیٹرم میور سے ہو سکتا ہے"۔

(صفحہ 619)

پلمبم

پلمبم (Plumbum Met) نامی دوا کے بارہ میں نہایت لطیف انداز میں فرماتے ہیں:۔

"پلمبم کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ دھوکہ دہی اور بے ایمانی کرنے والوں کے لئے شفا کا اثر رکھتی ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو ساری دنیا میں کثرت سے استعمال ہونی چاہئے۔" (صفحہ 679)

مندرجہ بالا ان چند نمونوں سے ہی قارئین کرام کو یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے کس قدر وضاحت کے ساتھ بعض ذہنی، اخلاقی اور روحانی بیماریوں کے لئے بعض مؤثر دوائیں تجویز کی ہیں۔

چونکہ خاکسار کا تعلق ہومیو طریق علاج سے ہے اس لئے خاکسار کو علم نہیں کہ ہومیو کے علاوہ دوسرے طریق علاج میں بھی کس حد تک مریض کے مزاج اور ذہنی اور اخلاقی حالات کو مدنظر رکھ کر دواؤں کی تشخیص کی جاتی ہے مگر امید ہے کہ دوسرے اطباء بھی حضرت مصلح موعود کے اس ارشاد کو مدنظر رکھیں گے جس میں آپ فرماتے ہیں:۔

"تم لوگ یاد رکھو کہ روحانی امراض کے بعض ایسے علاج ہیں جو ڈاکٹروں کے ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ اس بات کو مدنظر رکھ کر تم اپنے طور پر کوشش میں لگے رہو اور اپنی تحقیقات سے ان لوگوں کی امداد کرو جن کی توجہ اس طرف ہو رہی ہے اور جو اس کے لئے کوشش کر رہے ہیں تا کہ دنیا میں ایک نیا انقلاب واقع ہو اور دنیا ایک قدم اور ترقی کرے، آمین"۔

(عرفان الٰہی، صفحہ 37)

❁❁❁❁❁❁

جس نے زندہ کر دیا دینِ جمیل

وہ نگاہوں کے اشارے پے بہ پے — باندھ لیں دل کو جو زنجیریں کہاں
نکتہ ور اٹھیں گے لاکھوں اور بھی — وہ لب اعجاز تفسیریں کہاں
محفلیں جمتی رہیں گی تا ابد — "سیر روحانی" کی تقریریں کہاں
مجلس عرفاں کا وہ جذب لطیف — وہ سرور انگیز تاثیریں کہاں
لب کشائی باشکوہ "خسروی" — ولولہ انگیز تکبیریں کہاں
ہر تصور تھا مبدل بہ عمل — خواب کی زندہ وہ تعبیریں کہاں
وہ نگاہ دلربا، معجز نما — جو بدل دیتی تھی تقدیریں کہاں

پا کے اک غیبی اشارہ چھپ گیا
وہ مقدر کا ستارہ چھپ گیا

لاکھ آزادی تصدق ان پہ ہے — جو ترے دام محبت کے اَسیر
صورت و سیرت تری ...... نما — حسن و احساں میں مسیحا کا نظیر
جاگ اٹھا افریقہ از خواب گراں — ظلمتوں کے تو نے چھڑوائے اسیر
جب پڑی تیری نظر تارے بنے — ذرے صحراؤں کے، اے ماہ منیر!
تیرے جیسا ہوتا ہے پیدا گہر — گھومتا ہے عرصہا جب چرخ پیر

آفرینش سے لحد تک معجزہ
تیری ہستی ہے ابد تک معجزہ

تیری فطرت حامل سوزِ ازل — خود تڑپتا ہم کو تڑپاتا رہا
شوق کے دریا میں تھی غوطہ زنی — عشق کے گوہر تو برساتا رہا
جب کبھی ہم پر کیا دشمن نے وار — ڈھال بن کر آڑے آ جاتا رہا
کھٹکھٹایا تو نے جب مولا کا در — تیری جانب دوڑ کر آتا رہا
سنگدل بھی پانی پانی ہو گئے — کھا کے پتھر پھول برساتا رہا
وہ جنون شوق، وہ سودائے عشق — بڑھ کے طوفانوں سے ٹکراتا رہا

روشن ہر اک کا دل و سینہ کیا
پتھروں کو مثل آئینہ کیا

علم و عرفاں کا ہے دریا موجزن — یادگار حضرت محمود دیکھ!
گل فشانی، سنگباری کے عوض — کھول کر آنکھیں زیان و سود دیکھ!
دین حق کا پڑھ سنہری باب تو — دور خوش، باطالع مسعود دیکھ!
ہل گئی بنیاد قصر باطلہ — دیکھ زور ضربت محمود دیکھ!
اور ہے شکل زمین و آسماں — ہستیٔ تازہ و نومولود دیکھ!

جس نے زندہ کر دیا دینِ جمیل
بخش ہر دم اس کو تسکین جمیل

عبدالسلام

MB/FD-10/FR